



عقیدہ لائبریری

www.aqeedeh.com

یہ کتاب عقیدہ لائبریری سے ڈاؤن لوڈ کی گئی ہے۔

www.aqeedeh.com/ur/

E-mail: book@aqeedeh.com

بعض مفید اسلامی ویب سائٹس:

www.aqeedeh.com

www.sadaislam.com

www.zekr.tv

www.kalemeh.tv

www.ahlehaq.org/hq

www.islamhouse.com

www.eeqaz.com

www.tauheed-sunnat.com

www.islamic-forum.net

www.khatm-e-nubuwwat.com

www.kitabosunnat.com

www.muhammadilibrary.com

www.islamqa.info/ur

www.quran-o-sunnah.com

www.deeneislam.com

www.nadwatululama.org

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

احکام اور انواع

ازمحدث العصر علامہ شیخ محمد ناصر الدین الالبانی رحمۃ اللہ علیہ

توسل اور اس کے دینی حکم کے بارے میں بڑا اضطراب و اختلاف رہا ہے۔ کچھ اس کو حلال سمجھتے ہیں اور کچھ حرام، کچھ کو بڑا غلو ہے اور کچھ متساہل

ہیں۔ طویل صدیوں سے عام مسلمان اس کے عادی رہے ہیں کہ اپنی دعاؤں میں کچھ اس طرح کے الفاظ کہتے رہے ہیں۔ مثلاً

اللَّهُمَّ بِحَقِّ نَبِيِّكَ أَوْ بِجَاهِهِ أَوْ بِقَدْرِهِ عِنْدَكَ ، عَافِنِي وَاعْفُ عَنِّي ، اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ بِحَقِّ الْبَيْتِ الْحَرَامِ أَنْ تَغْفِرَ لِي اللَّهُمَّ بِجَاهِ الْأَوْلِيَاءِ وَالصَّالِحِينَ مِثْلَ فُلَانٍ وَفُلَانٍ اللَّهُمَّ بِكَرَامَةِ رِجَالِ اللَّهِ عِنْدَكَ وَبِجَاهِ مَنْ نَحْنُ فِي حَضْرَتِهِ وَتَحْتَ مَدَدِهِ فَارْحَمْ عَلَيْنَا وَعَنِ الْمَهْمُومِينَ اللَّهُمَّ قَدْ بَسَطْنَا إِلَيْكَ الْفَرْعَ الضَّرَاعَةَ ، مُتَوَسِّلِينَ إِلَيْكَ بِصَاحِبِ الْوَسِيلَةِ وَالشَّفَاعَةِ أَنْ تَنْصُرَ الْإِسْلَامَ وَالْمُسْلِمِينَ

” اے اللہ تیرے نبی کے حق کے واسطے سے یا تیرے پاس ان کے مرتبہ اور عزت کے واسطے سے مجھ کو عافیت دے اور مجھ کو معاف فرما، اے اللہ بیت الحرام کے حق کے واسطے سے تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ مجھ کو بخش دے اے اللہ اولیاء اور صالحین مثلاً فلاں اور فلاں کے جاہ کے واسطے سے اے اللہ اللہ والوں کی تیرے پاس بزرگی کے واسطے سے اور ان لوگوں کے جاہ کے واسطے سے جن کی بارگاہ اور مدد کے تحت ہم ہیں، ہم سے اور غمزدہ لوگوں سے غم کو دور فرما۔ اے اللہ ہم نے تیری طرف عاجزی کا ہاتھ پھیلا یا ہے وسیلہ اور شفاعت والے کو تیری بارگاہ میں وسیلہ بنا کر تو اسلام اور مسلمانوں کی مدد فرما۔ وغیرہ وغیرہ“

لوگ اسی کو وسیلہ کہتے ہیں اور دعویٰ بھی کرتے ہیں کہ یہی رائج اور مشروع ہے اور اس کے بارے میں بعض ایسی آیات اور احادیث بھی وارد ہیں جو

اس کو ثابت اور مشروع کرتی ہیں بلکہ اسی وسیلہ کا حکم بھی دیتی ہیں اور ترغیب بھی۔

اور کچھ لوگوں نے تو اس وسیلہ کے مباح ہونے میں ایسا غلو کیا کہ اللہ کی بارگاہ میں اس کی بعض ایسی مخلوقات کا وسیلہ بھی جائز قرار دے دیا جن کی نہ

کوئی حیثیت ہے نہ وقعت۔ مثلاً اولیاء کی قبریں، ان قبروں پر لگی ہوئیں لوہے کی جالیاں، قبر کی مٹی، پتھر اور قبر کے قریب کا درخت۔ اس خیال سے کہ ”بڑے کا

پڑوسی بھی بڑا ہوتا ہے“۔ اور صاحب قبر کے لئے اللہ کا اکرام قبر کو بھی پہنچتا ہے، جس کی وجہ سے قبر کا وسیلہ بھی اللہ کے پاس درست ہو جاتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ

بعض متاخرین نے تو غیر اللہ سے استغاثہ کو بھی جائز قرار دے دیا اور دعویٰ یہ کیا کہ یہ بھی وسیلہ ہے حالانکہ یہ خالص شرک ہے جو توحید کی بنیاد کی خلاف ہے۔

سوال یہ ہے کہ وسیلہ ہے کیا؟ اسکے انواع کیا ہیں؟ اور اس بارے میں جو آیات و احادیث وارد ہیں ان کا معنی کیا ہے؟ اور اسلام میں وسیلہ کا صحیح حکم

کیا ہے؟



توسل لغت اور قرآن میں

توسل لغت عرب میں:

اصل موضوع پر تفصیلی بحث کرنے سے پہلے میں پسند کرتا ہوں کہ اس خاص سبب پر توجہ دوں جس کی بنا پر عام لوگ وسیلہ کا معنی نہیں سمجھتے اور وسیلہ کو

وسعت دے دیتے ہیں اور اس میں ایسی چیزیں بھی داخل کر دیتے ہیں جو وسیلہ کے معنی میں نہیں آتیں اور ایسا محض اس لیے ہوتا ہے کہ لوگ وسیلہ کا لغوی معنی

نہیں سمجھتے اور اس کو اصل دلائل سے معلوم کرتے ہیں۔

”توسّل“ خالص عربی لفظ ہے جو قرآن و سنت اور کلام عرب میں شعر و نثر دونوں ہی طرح آیا ہے۔ اور وسیلہ کا مطلب ہے ”مطلوب تک تقرب حاصل کرنا اور رغبت کے ساتھ اس تک پہنچنا۔ (النهاية)۔ اَلْوَسِيْلُ، یعنی راغب ”وسیلہ“ یعنی ”قربت اور واسطہ“ اور جس کے ذریعہ کسی چیز تک پہنچا جائے اور اس کے ذریعہ تقرب حاصل کیا جائے۔ وسیلہ کی جمع وسائل ہے۔ اور فیروز آبادی نے ”قاموس“ میں کہا وَسَلَّ اِلَى اللّٰهِ تَوْسِيْلًا“ یعنی ایسا عمل کیا جس سے اس کا تقرب حاصل ہو اور ابن فارس نے ”معجم المقاتلیس“ میں لکھا ہے۔ اَلْوَسِيْلَةُ الرَّغْبَةُ وَ الطَّلْبُ“ وَ سَلَّ۔ کہا جاتا ہے جب آدمی کسی کی طرف رغبت کرے۔ اور ”واسل“ کہتے ہیں اللہ کی طرف رغبت کرنے والے کو۔ لبید کہتا ہے۔

اِرَى النَّاسَ لَا يَسْتَدْرُونَ مَا قَدَرُ اَمْرِهِمْ بَلَى كُفْلٌ ذِي دِيْنٍ اِلَى اللّٰهِ وَ اَسْل

میں دیکھتا ہوں کہ لوگ اپنے کام کی قدر نہیں جانتے ہاں بے شک ہر دیندار اللہ کی طرف راغب ہے

اور علامہ راغب اصفہانی نے ”المفردات“ میں کہا۔ اَلْوَسِيْلَةُ التَّوَسُّلُ اِلَى الشَّيْءِ بِرَعْبَةٍ (یعنی کسی چیز کی طرف رغبت کے ساتھ پہنچنا) اور وسیلہ سے خاص ہے کیونکہ وہ رغبت کے معنی کو شامل ہے۔ اللہ کا ارشاد ہے وَ ابْتَغُوا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ اور وسیلہ الی اللہ کی حقیقت یہ ہے کہ ”علم اور عبادت اور مکارم شریعت کی طلب کے ساتھ راہ الہی کی رعایت کرنا۔“ اور وسیلہ ”قربت کی طرح ہے۔ اور ”واسل“ راغب الی اللہ کو کہتے ہیں“ اور علامہ ابن جریر نے بھی اسی معنی کو نقل کیا ہے اور اس پر شاعر کا قول پیش کیا ہے۔

اِذَا غَفَلَ الْوَاثِقُونَ عُدْنَا لَوْ صُلْنَا وَعَادَ التَّصَافِي بَيْنَنَا وَالْوَسَائِلُ

جب چغلی کھانے والے غافل ہو گئے تو ہم اپنے وصل کی طرف لوٹ پڑے اور ہمارے درمیان دوستی اور وسائل بھی لوٹے۔

اور وسیلہ کا ایک معنی یہاں اور بھی ہے اور وہ ہے ”بادشاہ کے پاس مرتبہ اور درجہ قربت۔“ جیسا کہ حدیث میں اس کو جنت کا سب سے اعلیٰ مقام کہا گیا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے۔ ”جب تم مؤذن سے سنو تو کہو جیسے مؤذن کہتا ہے پھر مجھ پر درود بھیجو۔ جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجے گا اللہ اس پر دس بار درود بھیجے گا۔ پھر میرے لیے اللہ سے وسیلہ مانگو کیونکہ وسیلہ جنت میں ایک مرتبہ ہے جو بندگان اللہ میں سے کسی ایک بندہ کیلئے بنایا گیا ہے اور مجھے امید ہے کہ وہ بندہ میں ہوں۔ لہذا جو شخص میرے لئے وسیلہ کا سوال کرے گا اس کیلئے میری شفاعت حلال ہوگی۔“ (مسلم)

یہ آخری دو معنی وسیلہ کے اصلی معنی سے گہرا ربط رکھتے ہیں لیکن وہ ہماری اس بحث میں نہیں لئے جاسکتے۔

وسیلہ کا معنی قرآن میں:

توسّل کا جو معنی میں نے گذشتہ صفحات میں بیان کیا ہے لغت میں وہی مشہور و معروف ہے اور کسی نے بھی اس کی مخالفت نہیں کی ہے، اور سلف صالح

اور ائمہ تفسیر نے بھی دونوں آیات کریمہ میں ”وسیلہ“ کی تعریف یہی کی ہے وہ دونوں آیتیں یہ ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝

ترجمہ: ”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو اور اس کی راہ میں جہاد کرو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔“

(المائدہ: ۳۵)

أُولَئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ وَيَرْجُونَ رَحْمَتَهُ وَيَخَافُونَ عَذَابَ اللَّهِ إِنَّ عَذَابَ

رَبِّكَ كَانَ مَحْدُورًا ۝ (الاسراء: ۵۷)

ترجمہ: ”یہی وہ لوگ ہیں جو پکارتے ہیں اپنے رب کی طرف وسیلہ تلاش کرتے ہیں کہ ان میں کون قریب ہے اور اس کی

رحمت کی امید رکھتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں بے شک تیرے رب کا عذاب ڈرنے کے قابل ہے۔“

پہلی آیت کی تفسیر میں امام المفسرین الحافظ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ يَعْنِي اُطْلُبُوا الْقُرْبَةَ إِلَيْهِ بِالْعَمَلِ بِمَا يَرْضَاهُ ۝

ترجمہ: ”اللہ کی طرف عمل کے ذریعہ قربت حاصل کرو جس کو وہ پسند کرتا ہے۔“

اور حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت میں وسیلہ کا معنی ”قربت“ کیا ہے اور یہی معنی مجاہد ابو ائیل، حسن، عبداللہ بن کثیر، سدی اور ابن زید وغیرہ سے بھی نقل کیا ہے۔ اور حافظ ابن کثیر نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ اس آیت میں ”وسیلہ“ کا معنی ”قربت“ ہے۔ اور قنادہ کا بھی قول نقل کیا ہے کہ اس آیت میں وسیلہ کا مطلب ہے کہ ”اللہ کی اطاعت اور اس کے پسندیدہ عمل کے ذریعہ اللہ کا قرب حاصل کرو۔“ علامہ ابن کثیر اس کے بعد فرماتے ہیں کہ وسیلہ کا جو مفہوم ان ائمہ تفسیر نے بیان کیا ہے اس میں ان کے درمیان کوئی اختلاف نہیں، اور وسیلہ وہی ہے جس کے ذریعہ حصول مقصود تک پہنچا جائے۔ (تفسیر ابن کثیر: ۵۲۲، ۵۳)

رہی دوسری آیت تو صحابی جلیل القدر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کا سبب نزول بیان کرتے ہوئے آیت کے معنی کی توضیح فرمائی ہے کہ ”یہ عرب کی ایک جماعت کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو جنوں کے ایک گروہ کی عبادت کرتی تھی۔ بعد میں جن مسلمان ہو گئے اور ان پجاریوں کو اس کا علم نہ ہوا۔“

اور حافظ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ”یہ انسان تو جنوں کی عبادت پر قائم رہے لیکن جن خود اس کو پسند نہیں کرتے تھے کیونکہ وہ مسلمان ہو گئے تھے اور وہ خود اپنے رب کا وسیلہ تلاش کر رہے تھے۔“ آیت کی یہ تفسیر سب سے معتمد ہے۔

اس تفسیر میں اس بات کی صراحت ہے کہ وسیلہ سے مراد وہ عمل ہے جس سے اللہ کا تقرب حاصل کیا جائے۔ اللہ نے اسی لئے لفظ ”يَبْتَغُونَ“ فرمایا، یعنی ایسے اعمال صالحہ تلاش کرتے ہیں جن سے وہ اللہ کا تقرب حاصل کر سکیں۔ نیز یہ آیت اشارہ کر رہی ہے۔۔ اس عجیب و غریب معاملے کی طرف جو ہر فکر سلیم کے مخالف ہے کہ کچھ لوگ اپنی عبادت اور دعا کے ذریعہ اللہ کے کچھ بندوں کی طرف متوجہ ہوں ان سے خوف کھائیں اور امید رکھیں، حالانکہ یہ عبادت گزار بندے جن کو معبود بنا دیا گیا تھا انہوں نے اپنے اسلام کا اعلان کر دیا تھا اور اپنی عبودیت کا اللہ سے اقرار کیا اور ان اعمال صالحہ کے ذریعہ جن کو اللہ پسند کرتا ہے، اللہ کا تقرب حاصل کرنے کیلئے آپس میں مسابقت کرنے لگے اور وہ رحمت الہی کے حریص ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔

خود اللہ سبحانہ و تعالیٰ اس آیت میں ان جہلاء کی عقلوں کا مذاق اڑاتا ہے جو جنوں پر ستار تھے اور ان کی پرستش پر ڈٹے ہوئے تھے جب کہ یہ جن خود مخلوق ہیں اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے عبادت گزار ہیں اور ان انسانوں کی طرح کمزور و ضعیف ہیں خود اپنے لئے نفع و ضرر کے مالک نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس پر تعجب کا اظہار فرماتا ہے کہ یہ آدم زاد اللہ واحد کی بندگی کیوں نہیں کرتے جو تہا نفع و ضرر کا مالک ہے اور اسی کے ہاتھ میں ہر چیز کی تقدیر ہے اور وہی تمام اشیاء کا محافظ ہے۔



صرف اعمال صالحہ ہی تقرب الہی کا وسیلہ ہیں

نہایت عجیب بات ہے کہ بعض مدعیان علم نے مذکورہ بالا دونوں آیتوں سے انبیاء کرام کی ذات ان کی حرمت، ان کے حق اور جاہ کے وسیلہ پر استدلال کیا ہے جب کہ یہ استدلال بالکل غلط اور دونوں آیتوں کا اس پر محمول کرنا ہرگز صحیح نہیں، کیونکہ شرع سے یہ ثابت نہیں کہ یہ وسیلہ مرغوب و مشروع ہے۔ اسی لئے سلف صالح میں سے کسی نے بھی اس استدلال کا ذکر نہیں کیا، نہ ہی کسی نے اس مذکورہ وسیلہ کو پسند کیا، بلکہ انہوں نے اس آیت سے جو کچھ بھی سمجھا بس وہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں حکم دیتا ہے کہ ہم ہر پسندیدہ عمل کے ذریعہ اور اس کی بارگاہ میں طاعت و بندگی پیش کر کے اور اس کی رضا کی تمام راہوں

پر چل کر اس کا وسیلہ اور تقرب حاصل کریں۔

اور اللہ تعالیٰ نے تو دوسری آیات کے ذریعہ ہم کو تعلیم دے دی ہے کہ ہم جب بھی اللہ کا تقرب حاصل کرنا چاہیں تو اس کی جناب میں ان اعمال صالحہ کو پیش کریں جن کو اللہ پسند کرتا ہے اور جن سے خوش ہوتا ہے۔ پھر اللہ نے ان اعمال کو ہماری عقل اور ہمارے ذوق پر نہیں چھوڑ دیا ورنہ بڑا اختلاف واضطراب اور تجاد و تخاصم پیدا ہوتا، بلکہ اس نے ہم کو پابند کر دیا کہ اس معاملے میں ہم اسی کی طرف رجوع کریں اور اس بارے میں اسی کے ارشاد و تعلیم کی پیروی کریں، کیونکہ اللہ کو کون سا عمل پسند ہے یہ تو صرف اللہ ہی جانتا ہے۔ لہذا ہمارا فرض ہے کہ اللہ کے قریب کرنے والے وسائل کو جاننے کے لئے ہر مسئلے میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی طرف رجوع ہوں۔ اسی کی تاکید آحضرت ﷺ نے ہم کو کی ہے جیسا کہ ارشاد ہے۔

تَرَكَتُ فِيكُمْ أَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوا مَا تَمَسَّكْتُمُ بِهِمَا، كِتَابُ اللَّهِ وَ سُنَّةَ رَسُولِهِ ۝ (رواه مالك و حاکم)

ترجمہ: ”میں نے تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑی ہیں۔ تم کبھی گمراہ نہ ہو گے جب تک تم ان کو مضبوط پکڑے رہو گے“ اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت۔“



عمل صالح کب ہوتا ہے؟

کتاب و سنت سے یہ بات واضح ہو گئی کہ عمل جب صالح مقبول ہوگا تو بارگاہ الہی میں پیش کیا جائے گا۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ اس میں دو عظیم باتیں پوری طرح پائی جائیں۔

اول:

یہ کہ عمل کرنے والے کا مقصد صرف رضائے الہی کا حصول ہو۔

دوم:

یہ کہ وہ اس طریقہ کے موافق ہو جو اللہ نے اپنی کتاب میں مشروع کیا ہے یا رسول اللہ ﷺ نے اس کا اپنی سنت میں بیان کیا ہو۔

ان شرطوں میں سے ایک شرط بھی خراب ہوئی تو عمل نہ صالح ہوگا نہ مقبول۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے:

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا ۝ (سورة الكهف: ۱۰)

ترجمہ: ”جو شخص اپنے رب کی ملاقات کی آرزو رکھتا ہے اس کو چاہئے کہ صالح عمل کرے اور اپنے رب کی بندگی میں کسی کو شریک نہ کرے۔“

یہاں اللہ نے یہی حکم فرمایا کہ عمل صالح ہو یعنی سنت کے موافق ہو، پھر فرمایا کہ عمل کرنے والا صرف اللہ کی رضا کے لیے وہ عمل کر رہا ہوں، اس کے سوا کسی کی اس کو چاہت نہ ہو۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں فرمایا ہے کہ مقبول عمل کے یہ دو رکن ہیں۔ یعنی ضروری ہے کہ عمل اللہ کے لئے خالص ہو اور رسول اللہ ﷺ کی شریعت کے مطابق ہو۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ سے بھی بالکل ایسی ہی روایت ہے۔



دنیاوی اور شرعی وسائل

جب ہم یہ سمجھ گئے کہ وسیلہ وہ سبب ہے جو اطاعت کے ذریعہ مطلوب تک پہنچاتا ہے تو اب ہم کو جاننا چاہئے کہ وسیلہ کی دو قسم ہے۔
وسیلہ کونیہ و وسیلہ شرعیہ

وسیلہ کونیہ:

ہر اس طبعی و قدرتی سبب کو کہتے ہیں جو اپنی اس خلقت کی وجہ سے مقصود تک پہنچائے جس پر اللہ نے اس کو پیدا کیا ہے اور اس فطرت کے ذریعہ جو اللہ نے اس کے لئے مقرر کی ہے مطلوب حاصل کرادے۔ اور یہ وسیلہ بلا تفریق مومن و کافر سب کے درمیان مشترک ہے۔ جیسے پانی جو انسان کی پیاس بجھانے کا وسیلہ ہے اور کھانا جو اس کے آسودہ ہونے کا ذریعہ ہے اور لباس جو سردی اور گرمی سے بچانے کا ذریعہ ہے اور گاڑی جو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے کا ذریعہ ہے وغیرہ

وسیلہ شرعیہ:

ہر اس سبب کو کہتے ہیں جو اس طریقہ سے مقصود تک پہنچائے جسے اللہ نے مشروع فرمایا ہے اور جس کو اپنی کتاب اور اپنے رسول کی سنت میں بیان کر دیا ہے اور یہ وسیلہ صرف اس مومن کے ساتھ خاص ہے جو اللہ اور اس کے رسول کے حکم کا پابند ہے۔
اس وسیلہ کی چند مثالیں یہ ہیں۔

اخلاص اور فہم کے ساتھ توحید و رسالت کی شہادت دینا۔ یہ وسیلہ ہے جنت میں داخل ہونے کا اور جہنم میں ہمیشہ رہنے سے نجات پانے کا۔ اور برائی کے بعد نیکی کرنا وسیلہ ہے گناہوں کی معافی کا اور اذان کے بعد دعا مانورہ کا پڑھنا نبی ﷺ کی شفاعت پانے کا وسیلہ ہے۔ اور صلہ رحمی طول عمر اور وسعت رزق کا وسیلہ ہے۔ وغیرہ۔

یہ اور اس جیسے امور کی بابت ہم کو معلوم ہو گیا کہ یہ مقاصد اور غایات صرف شرعی طریقہ پر پورے کئے جاتے ہیں۔ سائنس یا تجربہ یا حواس سے ان کا کچھ تعلق نہیں۔ یہ بات کہ صلہ رحمی عمر کو بڑھاتا ہے اور روزی میں وسعت پیدا کرتا ہے ہمیں اس کا علم صرف آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد سے ہوا۔

مَنْ أَحَبَّ أَنْ يُسَيِّطَ لَهُ فِي رِزْقِهِ وَأَنْ يُنْشَأَ لَهُ فِي إِثْرِهِ فَلْيَصِلْ رَحْمَةً ۝ (رواہ الشیخان)

ترجمہ: ”جس کو یہ پسند ہو کہ اس کی روزی اور عمر بڑھادی جائے اس کو چاہئے کہ اپنے رشتہ دار کے ساتھ حسن سلوک کرے۔“

اور اکثر لوگ ان دونوں ہی قسم کے وسیلوں کو سمجھنے میں غلطی کرتے ہیں اور بہت ہی خراب تہمت کا شکار ہیں اور سبب کونی بس اسی کو سمجھتے ہیں جو کسی معینہ مقصد کو حاصل کرادے جب کہ معاملہ ان کے ظن کے خلاف ہوتا ہے۔ اس طرح کبھی کسی شرعی سبب کو محض اس لئے شرعی سمجھتے ہیں کہ اس سے کوئی شرعی مقصد حل ہو جاتا ہے حالانکہ حق ان کے معتقدات کے خلاف ہوتا ہے۔

ان وسائل باطلہ کی مثال جو بیک وقت شرعی اور کونی دونوں ہیں وہ ہے جس کو دمشق کی ”شارع النصر“ پر گزرنے والا اکثر دیکھا کرتا ہے کہ کچھ لوگ اپنے سامنے چھوٹے چھوٹے ٹیبل رکھ رہتے ہیں اور اس پر ایک چھوٹا جانور جو بڑے چوہے کی طرح ہوتا ہے بیٹھا رہتا ہے اور اس کے آس پاس چھوٹے کارڈ پڑے رہتے ہیں جن میں لوگوں کے نصیبوں کی امیدوں سے متعلق عبارتیں لکھی رہتی ہیں جن کو جانور کا مالک لکھے رہتا ہے یا کچھ لوگ اپنے جہل اور خواہش کے مطابق لکھائے رہتے ہیں اور راستہ سے گزرتے ہوئے گہرے دوست آپس میں کہتے ہیں آؤ ذرا اپنی قسمت ملاحظہ کریں۔ پھر وہ چند پیسے اس آدمی کو دیتے ہیں اور وہ اس جانور کو دھکیلتا ہے کہ کوئی کارڈ اٹھالائے۔ جانور ایک ایک کارڈ اٹھا کر ان کو دیتا ہے اور یہ اس کو پڑھ کر اپنے خیال کے مطابق اپنی قسمت کا مطالعہ کر لیتے ہیں۔

آپ اس آدمی کی عقل رسائی دیکھ رہے ہیں کہ وہ ایک جانور کو اپنا معلم سمجھ رہا ہے اور وہ جانور اس کو اپنی قسمت بتا رہا ہے اور اس کی اپنی حیثیت جو اس کی نگاہ اور علم سے غائب تھی اس کو یہ جانور بتا رہا ہے ”اگر حقیقتاً وہ یہی سمجھ رہا ہے کہ جانور غیب جانتا ہے تو پھر جانور اس سے بہتر ہوا۔ اور اگر وہ اس پر عقیدہ نہیں رکھتا تو اس کا یہ سب فعل بیہودہ مذاق اور وقت اور مال کی بربادی ہے جس سے سمجھ دار لوگوں کو بچنا چاہئے۔ خود اس دھندے کو کرنا ہی فریب دہی، گمراہی اور لوگوں کا مال باطل طریقہ سے کھانا ہے۔

بلاشبہ لوگوں کا اس حیوان کے پاس غیب جاننے کے لئے جاننا ان کے نزدیک وسیلہ کوئی ہے حالانکہ یہ سراسر غلط اور باطل ہے جس کو تجربہ نے غلط ثابت کر دیا ہے اور نظر سلیم اس کو رد کرتی ہے۔ یہ وسیلہ کوئی نہیں وسیلہ خرافیہ ہے جو جہل اور دجل کی پیداوار ہے اور یہ شرعی اعتبار سے بھی باطل ہے۔ کتاب و سنت اور اجماع اس کے خلاف ہے۔ اس کی مخالفت کے لئے تو بس اللہ کا یہ قول ہی کافی ہے جس میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنی ثناء بیان کی ہے۔

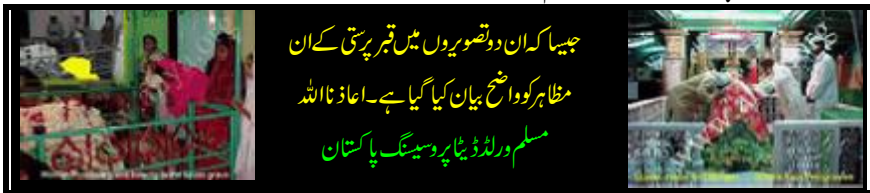
عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ غَيْبَهُ أَحَدًا ۗ إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِنْ رَسُولٍ ۗ (الجن: ۲۶)

ترجمہ: ”وہی غیب کا جاننے والا ہے اور کسی پر اپنے غیب کو ظاہر نہیں کرتا ہاں جس پیغمبر کو پسند فرمائے تو اس کو اپنے غیب کی باتیں بتا دیتا ہے۔“

اور موہوم کوئی اسباب میں سے یہ بھی ہے کہ کچھ لوگ سمجھتے ہیں کہ جب کوئی شخص بدھ کے دن سفر کرتا یا شادی کرتا ہے تو سفر میں محروم رہتا ہے اور شادی میں ناکام۔ اور ان کا یہ عقیدہ بھی ہے کہ جو شخص کوئی اہم کام شروع کرے اور کسی اندھے کو دیکھ لے یا کسی مصیبت زدہ پر نظر پڑ جائے تو اس کا کام نہ تو پورا ہوتا ہے نہ ہی وہ کامیاب ہوتا ہے۔ اور انہیں سب اسباب سے آج کے اکثر مسلمان اور عرب یہ سمجھتے ہیں کہ وہ صرف اپنی بڑی تعداد سے اپنے یہودی اور سامراجی دشمنوں پر فتح پالیں گے اور وہ اپنی موجودہ وضع اور طور طریقے ہی سے یہودیوں کو سمندر میں پھینک دیں گے اور تجربات نے اس قسم کے خیالات کے بطلان کو ثابت کر دیا ہے۔ حالانکہ یہ مسئلہ اس سطحی طریقہ علاج سے کہیں زیادہ سنگین ہے۔

ان موہوم شرعی اسباب میں سے کچھ ایسے اسباب ہیں جن کو لوگوں نے اختیار کر رکھا ہے اور سمجھتے ہیں کہ یہ اسباب ان کو اللہ کے قریب کر دیں گے۔ حالانکہ وہ حقیقت میں ان کو اللہ سے دور کرتے ہیں اور اللہ کی ناراضگی اور غضب بلکہ لعنت اور عذاب کا باعث بنتے ہیں۔ مثلاً مردہ مدفون اولیاء و صالحین سے استغاثہ کرنا۔ وہ ان کی ایسی ضروریات پوری کر دیں کہ جن کو اللہ کے سوا کوئی پوری نہیں کر سکتا۔ جیسے کہ وہ ان اصحاب قبور سے اپنی تکلیف دور کرنے اور بیماری سے شفاء پانے کی درخواست کرتے ہیں انہیں سے روزی مانگتے ہیں۔ بانجھ پن دور کرنے کی فریادیں کرتے ہیں اور ان سے دشمن پر غلبہ چاہتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

پھر وہ قبروں کی آہنی جالیاں اور ان کے پتھر کو چھوتے، سہلاتے ہیں اور ان کو پکڑ کر ہلاتے ہیں، اور کاغذ پر لکھ کر ایسی درخواستیں لٹکاتے ہیں جن میں ان کی مرادیں اور خواہشات لکھی رہتی ہیں۔ بس ان کی نگاہ میں یہی سب شرعی وسیلے ہیں جب کہ حقیقت میں یہ سب باطل ہیں اور اس عظیم اسلام کے مخالف ہیں جن کی بنیاد ہی صرف اللہ واحد کی بندگی ہے اور عبادت کے تمام انواع و فروع میں صرف اللہ ہی کو خالص کرنا اس کی بنیادی تعلیم ہے۔



اور انہیں لغویات میں سے یہ بھی ہے کہ کچھ لوگ اس خبر کو سچ سمجھ لیتے ہیں جس کو بیان کرتے وقت بیان کرنے والے کو یا حاضرین میں سے کسی کو

چھینک آجائے ❶

انہیں فاسد عقائد میں سے یہ بھی ہے کہ جب کوئی دوست یا رشتہ دار ان کا ذکر خیر کرتا ہے تو ان کا کان بجنے ❷ لگتا ہے

اور یہ عقیدہ بھی کہ جب لوگ رات میں ناخن تراشیں یا سینچ اور اتوار کو یا جب رات میں گھر صاف کریں تو ان پر بلائیں نازل ہوتی ہیں۔
 اور یہ عقیدہ بھی ③ کہ جب لوگ کسی پتھر کے ساتھ بھی حسن ظن کر لیں اور اس پر عقیدہ رکھ لیں تو وہ ان کو نفع پہنچاتا ہے۔
 اور یہ اس قسم کے فاسد عقائد جو خرافات اور ظنون و اوہام ہیں جن کے متعلق اللہ نے کوئی دلیل نہیں نازل کی بلکہ ان کی اصل موضوع اور جھوٹی حدیثیں ہیں جن کے گھڑنے والوں پر اللہ لعنت کرے اور ان کو ذلیل کرے۔

وسائل کو نیہ میں سے کچھ مباح ہیں جن کی اجازت اللہ نے دی ہے اور کچھ حرام ہیں جن سے اللہ نے منع فرمایا ہے۔ پچھلے صفحات میں ان دونوں انواع کے وسائل کا ذکر میں نے کر دیا ہے جن کو لوگ مباح اور مقصود تک پہنچنے کا ذریعہ سمجھتے ہیں حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ اور اب میں بعض مشروع اور غیر مشروع کوئی وسائل کی چند مثالیں پیش کرتا ہوں۔

وسیلہ کو نیہ مشروع کی ایک مثال ”کسب اور حصول رزق کے لئے بیع و شراء اور تجارت و زراعت“ وغیرہ بھی ہے۔
 اور وسیلہ کو نیہ محرمہ کی مثال حصول رزق کے سودی قرض دینا بیع عینہ ذخیرہ اندوزی، خیانت، چوری، جوا، شراب اور مورتیوں کی تجارت ہے جس کی دلیل اللہ کا ارشاد ”أَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبَا“ (اور اللہ نے تجارت حلال کی اور سود کو حرام کیا۔ سورۃ بقرہ: آیت ۲۱۵) ہے۔
 تجارت اور سود دونوں ہی حصول رزق کے لئے سبب کوئی ہیں لیکن اللہ نے اول کو حلال کیا اور دوسرے کو حرام۔



① شاید اس عقیدہ کی بنیاد یہ حدیث ہو ”مَنْ حَدَّثَ حَدِيثًا فَعَطَسَ عِنْدَهُ فَهُوَ حَقٌّ“ حالانکہ یہ حدیث باطل ہے۔ علامہ شوکانی نے ”الفوائد المجموعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ“ میں اس کو بھی بیان کیا ہے اور میری کتاب ”سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ“ میں ۱۳۶ کے تحت اس کا مفصل بیان ملے گا۔
 ② اس گمراہ عقیدہ کی بنیاد یہ موضوع حدیث ہے ”جب تم میں سے کسی کا کان بجے تو مجھ پر درود بھیجو اور کہو اللہ اس کو بھلائی سے یاد کرے جس نے مجھ کو یاد کیا۔ (الفوائد المجموعۃ للشوکانی ص ۲۲۲)“

③ اس گمراہ کن عقیدہ کی بنیاد یہ ہے ”لَوْ أَحْسَنَ أَحَدُكُمْ ظَنَّهُ بِحَجَرٍ لَنَفَعَهُ اللَّهُ بِهِ“ حافظ عجلونی نے اس کو ”کشف الخفاء“ ۱۵۲/۲ میں ذکر کیا ہے اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو ”کذب“ کہا ہے اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کی کوئی اصل نہیں اور صاحب المقاصد کا بیان ہے کہ ”یروایت صحیح نہیں“ اور علامہ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ”یہ ان بت پرستوں کا کلام ہے جو پتھروں کے ساتھ حسن عقیدت رکھتے ہیں۔“

وسائل کی صحت اور مشروعیت معلوم کرنے کا طریقہ

وسائل کو نیہ اور شرعیہ کو معلوم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ کتاب و سنت کی طرف رجوع کیا جائے اور ان وسائل کے متعلق جو کچھ کتاب و سنت میں مذکور ہے ان پر ثابت قدم رہا جائے اور ان کے دلائل پر اچھی طرح غور و فکر کیا جائے۔ اس کے علاوہ وسائل کی معرفت کا کوئی دوسرا طریقہ نہیں ہے۔ اور وسائل کو نیہ کی صحت کو جاننے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ معروف علمی طریقہ پر حواس اور تجربہ کے ذریعہ جانچ کی جائے اور نظر سلیم سے کام لیا جائے، لہذا کسی بھی سبب کوئی استعمال کرنے کے جواز کی دو دلیلیں ہیں۔

اول یہ کہ وہ وسیلہ شرعاً مباح ہو۔

دوسرے یہ کہ مقصود کے لئے اس کا مفید ہونا ثابت ہو یا مفید ہونے کے لئے غالب گمان ہو۔

لیکن وسیلہ شرعیہ کے استعمال کی صرف ایک ہی شرط ہے کہ وہ شرع سے ثابت ہو۔ لہذا گذشتہ مثال میں جانور کو غیب جاننے کے لئے اپنے خیال کے مطابق وسیلہ بنانا دنیاویہ اعتبار سے بھی باطل ہے، کیونکہ تجربہ اور نظر سلیم دونوں حیثیت سے وہ ناقابل اعتبار اور شرعی حیثیت سے وہ کفر اور ضلال ہے۔ اللہ نے اس کے باطل ہونے کو واضح کر دیا ہے اور اس سے منع بھی فرمایا ہے۔

اور اکثر لوگ ان امور میں الجھے ہوئے ہیں۔ اگر کسی ذریعہ سے ذرا بھی فائدہ ہو جاتا ہے تو اس کو جائز شرعی وسیلہ سمجھتے ہیں۔ ایسا ہوا ہے کہ کسی نے کسی ولی کو پکارا یا کسی مردہ سے استغاثہ کیا اور اس کا کام بن گیا۔ اور مراد پوری ہو گئی تو وہ اس کو دلیل بنا کر دعویٰ کرنے لگ جاتا ہے کہ مردے اور اولیاء لوگوں کی فریادری پر قادر ہیں اور ان کو پکارنا اور ان سے استغاثہ کرنا جائز ہے اور اس کی دلیل صرف اتنی ہے۔ کہ اس کے ذریعہ اس مدعی کا کام بن گیا۔ ہمیں افسوس ہے کہ اس طرح کی بہت سے باتیں ہم نے دینی کتابوں میں پڑھی ہیں جن میں لکھنے والا خود لکھتا ہے یا دوسروں سے نقل کرتا ہے کہ وہ ایک مرتبہ بڑی تکلیف میں پڑ گیا تو فلاں بزرگ یا مرد صالح سے استغاثہ کیا اور اس کا نام لے کر آزدی تو وہ فوراً حاضر ہو گئے یا اس کے خواب میں تشریف لائے اور اس کی فریادری کی اور مراد پوری فرمائی۔

افسوس! یہ بے چارہ اور اسی جیسے دوسرے لوگ یہ نہیں سمجھ پاتے کہ اگر اس کا کہنا صحیح بھی ہو تو یہ مشرکین اور اہل بدعت کے لئے اللہ کی طرف سے استدراج (ڈھیل دینا) اور آزمائش اور کتاب و سنت سے روگردانی اور اپنی خواہشات و شیاطین کی اتباع پر اس کی سزا ہے۔

جو شخص ایسی بات کہتا ہے وہ غیر اللہ سے استغاثہ کو جائز قرار دیتا ہے حالانکہ یہ استغاثہ تو شرک اکبر ہے۔ یہ واقعہ اس کے ساتھ یا دوسرے کے ساتھ کسی حادثہ کے سبب پیش آیا ہے اور ممکن ہے یہ حادثہ سرے سے بناوٹی ہو یا لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے گھڑا گیا ہو۔ اس طرح یہ بھی ممکن ہے واقعہ صحیح ہو اور اس کا راوی بھی سچا ہو لیکن اس سے یہ فیصلہ کرنے میں غلطی ہوئی ہو کہ بچانے والا اور فریاد پوری کرنے والا کون ہے؟ اس مسکین نے تو کسی ولی صالح کو فریاد رس سمجھا حقیقت میں وہ شیطان مردود تھا جس نے ایسا محض خباثت پھیلانے کے لئے کیا تھا تا کہ وہ لوگوں کو بہکائے اور ان کو کفر و ضلال کے جال میں اس طرح پھانس دے کہ لوگ اس مکر کو سمجھ پائیں یا نہ سمجھ پائیں۔ (لیکن اس کا مکر کام کر جائے۔)

اور روایات اس پر متفق ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں مشرکین بتوں کے پاس آتے تھے اور ان کو پکارتے تھے۔ اس وقت وہ کچھ آواز سنتے تھے تو سمجھتے تھے کہ یہی بت جو ان کے خود ساختہ معبود ہیں ان سے بات کر رہے ہیں اور ان کی پکار کا جواب دے رہے ہیں جب کہ حقیقت یہ نہیں ہوتی تھی بلکہ شیطان لعین ان کو گمراہ کرنے اور انہیں ان کے باطل عقیدہ میں مزید غرق کرنے کے لئے یہ حرکتیں کیا کرتا تھا۔

اس تفصیل کا مقصد یہ ہے کہ ہم اس بات کو سمجھ پائیں کہ تجربے اور روایات اعمال دینیہ کی مشروعیت جاننے کا صحیح وسیلہ نہیں ہے بلکہ اس کے لئے واحد مقبول وسیلہ صرف یہ ہے کہ اس شریعت کو فیصلہ کن بنایا جائے جو کتاب و سنت میں نمائندہ حیثیت رکھتی ہے اس کے سوا کچھ نہیں۔

اس سلسلے کی سب سے اہم بات جس میں اکثر لوگ خلط ملط کرتے ہیں وہ ہے طرق صوفیہ میں سے کسی طریقہ کے ذریعہ کسی غیب داں کے پاس جانا، جیسے کانہوں، نجومیوں، منجمین، جادوگروں، اور شعبہ بازوں کے پاس جانا، تم کو معلوم ہوگا کہ لوگ ان کے بارے میں یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ یہ لوگ غیب جانتے ہیں، کیونکہ انہوں نے ان کو کبھی بعض ایسی غیبی خبریں بتائی ہیں جو ان کے بتانے کے مطابق صحیح ثابت ہوئی ہیں۔ بس اسی سے وہ ان کے پاس جانا اور ان پر اعتقاد رکھنا جائز اور مباح سمجھنے لگتے ہیں، کیونکہ اس کے جواز کے لئے وہ اس بات کو دلیل سمجھتے ہیں کہ انہوں نے جو کہا تھا وہ درست نکلا۔ حالانکہ یہ بڑی زبردست خطا اور کھلی گمراہی ہے، کیونکہ کسی بھی واسطہ سے کچھ نفع کا حاصل ہو جانا اس واسطہ کی مشروعیت ثابت کرنے کے لئے کافی نہیں ہے۔ مثلاً شراب کی تجارت کبھی کبھی تاجر کو بے شمار نفع دیتی ہے اور اس کی دولت و ثروت کا ذریعہ بن جاتی ہے، اور ایسے ہی کبھی کبھی جو اور لاٹری بھی۔ اسی لئے اللہ نے فرمایا۔

يَسْئَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ۝

ترجمہ: ”اور لوگ آپ سے شراب اور جوئے کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ کہہ دیجئے ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لئے بڑا نفع بھی لیکن ان کا گناہ ان کے نفع سے بڑھ کر ہے۔“ (بقرہ: ۲۱۹)

ان میں نفع ہونے کے باوجود بھی شراب اور جوادوں ہی حرام، ملعون ہیں اور شراب کے سلسلے میں دس افراد پر لعنت کی گئی ہے۔ اسی طرح کانہوں کے پاس جانا بھی حرام ہے کیونکہ اس سے منع اور تنبیہ دین میں ثابت ہے۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے ”جو شخص کانہن کے پاس جائے اور اس کی کہی ہوئی بات کی تصدیق کرے وہ حضرت محمد ﷺ پر اتاری گئی شریعت سے الگ ہے۔“ (ابوداؤد) نیز آپ کا یہ ارشاد ہے ”جو شخص کسی نجومی کے پاس آئے اور اس سے کسی چیز کی بابت سوال کرے تو چالیس دن تک اس کی نماز قبول نہیں کی جاتی۔“ (مسلم) اور معاویہ بن حکم السلمی نے رسول اللہ ﷺ سے کہا ”ہم میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو کانہوں کے پاس جاتے ہیں۔“ آپ نے فرمایا۔ ”تم ان کے پاس مت جاؤ۔“ (مسلم)

اور رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی بتا دیا ہے کہ کانہن اور جادوگر بعض غیبی باتیں کس طرح حاصل کرتے ہیں، چنانچہ فرمایا ”جب اللہ آسمان میں کسی بات کا فیصلہ کرتا ہے تو فرشتے فرمان الہی کی تابعداری میں اپنے پروں کو مارتے ہیں جیسے چٹان پر زنجیر۔ جب ان کے دل کی گھبراہٹ ختم ہوتی ہے تو کہتے ہیں، تمہارے رب نے کیا فرمایا؟ کہتے ہیں، البتہ جس نے کہا وہ حق اور بلند و کبریائی والا ہے۔ اس وقت اس بات کو شیاطین چوری سے سنتے ہیں اور ان سے دوسرے شیاطین سنتے ہیں۔ اسی طرح ایک پر ایک سنتے جاتے ہیں۔ اور سفیان بن عیینہ (جو اس حدیث کے راوی ہیں) نے اپنے ہاتھ سے شکل بنا کر بتایا اس طرح کہ انہوں نے اپنے داہنے ہاتھ کی ہتھیلیوں کو کشادہ کیا اور ایک دوسرے پر کھڑی کر دیا۔ کبھی ان کو شہاب ثاقب عین اس وقت پکڑ لیتا ہے کہ ابھی وہ اپنے ساتھی کو یہ خبریں بتائے بھی نہیں ہوتے اور پھر وہ انہیں جلا کر خاک کر دیتا ہے۔

اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اپنے نیچے والے شیطان کو یہ خبر پہنچا دیتے ہیں اور وہ اپنے سے نیچے والے کو یہاں تک کہ وہ زمین تک اس کو پہنچا دیتے ہیں پھر یہی خبر شیطان ان جادوگروں تک لے جاتے ہیں اور وہ اس میں سو جھوٹ ملا دیتے ہیں۔ جب ایک سچی خبر کی تصدیق ہو جاتی ہے تو لوگ کہنے لگتے ہیں کہ کیا اس شخص نے فلاں فلاں دن یہ نہیں کہا تھا کہ ایسا ایسا ہوگا اور وہ خبر ہم نے سچی پائی۔ (یعنی وہی بات جو آسمان سے سنی گئی تھی)۔ (بخاری)

اور ایسے ہی دوسری حدیث میں عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ: رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب کی ایک جماعت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک ستارہ روشن ہوا۔ آپ نے پوچھا۔ ”جاہلیت میں جب ایسا ہوتا تھا تو آپ لوگ کیا کہتے تھے؟“ لوگوں نے کہا۔ ”ہم کہتے تھے کوئی بڑا آدمی پیدا ہوگا یا کوئی بڑا آدمی مرے گا۔“ تو آپ نے فرمایا ”یہ کسی کی موت یا زندگی کے لئے نہیں پھینکا جاتا، بلکہ اللہ تبارک و تعالیٰ جب کسی امر کا فیصلہ کرتا ہے تو عرش الہی کے اٹھانے والے تسبیح کرتے ہیں، پھر اس آسمان والے فرشتے تسبیح کرتے ہیں جو حاملین عرش کے قریب ہیں۔ اس طرح تسبیح آسمان دنیا تک پہنچتی ہے اور حاملین عرش کے قریب آسمان پر رہنے والے ان سے خبر دریافت کرتے ہیں کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا؟ تو یہ ان کو بتاتے ہیں اور ہر آسمان والے دوسرے آسمان والوں کو بتاتے ہیں یہاں تک کہ یہ خبر آسمان دنیا تک پہنچتی ہے اور جن کان لگا کر اچک لینے کی فکر میں رہتے ہیں جو خبر وہ اس طریقے پر لے آتے ہیں وہ تو سچی

ہوتی ہے، لیکن وہ اس میں بڑھاتے اور ملاتے ہیں۔“

ان دونوں حدیثوں سے ہم جان گئے کہ جنوں اور انسانوں کے درمیان ملاپ ہوتا ہے اور جن ان کا ہنوں کو بعض سچی خبریں بتاتے ہیں اور کاہن ان میں اپنی طرف سے دوسری خبریں ملا کر لوگوں سے بیان کرتے ہیں اسی طرح لوگ کچھ سچی خبروں کی اطلاع پا جاتے ہیں اور شارع حکیم علیہ السلام نے ان کا ہنوں کے پاس جانے کی اور ان کی کہی ہوئی باتوں کی تصدیق کرنے سے منع فرمایا ہے جیسا کہ ابھی اوپر ہم لکھ آئے ہیں۔

اس موقع پر ہمیں یہ بات یاد دلانی ہے کہ کہانت اور علم نجوم وغیرہ کا اب بھی لوگوں پر بڑا اثر ہے، یہاں تک کہ ہمارے اس دور میں بھی جس کے متعلق یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ یہ علم و شعور اور تمدن و تہذیب کا دور ہے اور لوگ سمجھتے ہیں کہ کہانت، شعبہ بازی اور جادو وغیرہ کا زمانہ چلا گیا اور اس کا زور ختم ہو گیا، لیکن جو شخص گہری نظر ڈالے گا اور جو حادثات آئے دن یہاں وہاں ہوتے رہتے ہیں ان سے باخبر ہوگا وہ یقینی طور پر جان لے گا کہ یہ ابھی تک لوگوں پر مسلط ہیں، البتہ آج ان چیزوں نے نیا لبادہ اوڑھ لیا ہے اور عصر حاضر کا رنگ و روپ دھا لیا ہے جس کی حقیقت کو بہت کم ہی لوگ سمجھ سکتے ہیں۔

رہا روجوں کو حاضر کرنا اور ان سے بات چیت کرنا اور مختلف طریقوں سے ان سے ملاپ کرنا تو یہ وہی جدید کہانت کی ایک شکل ہے جو آج لوگوں کو گمراہ کر رہی ہے اور ان کو دین سے ہٹا کر اوہام و باطلیل میں جکڑ رہی ہے اور لوگ اس کو علم اور دین ہی سمجھ بیٹھے ہیں جب کہ علم اور دین کا ان خرافات سے کوئی تعلق نہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ اسباب کونیہ اور جس کے بارے میں سمجھا جائے کہ یہ اسباب شرعیہ ہیں تو ان کا اثبات اس وقت تک جائز نہیں جب تک اس کا جواز شرع سے ثابت نہ ہو جائے۔ اسی طرح اسباب کونیہ کے لئے بھی ضروری ہے کہ تحقیق و تجربہ سے اس کی صحت اور افادیت کو ثابت کیا جائے۔

یہ بھی یاد رہے کہ جس چیز کا وسیلہ کونیہ ثابت ہو جائے تو اس کے مباح ہونے اور استعمال کرنے کے لئے یہ کافی ہے کہ شریعت نے اس کو منع نہیں کیا ہے۔ ایسے ہی موقع پر فقہاء کہتے ہیں کہ: ”اشیاء میں اصل اباحت ہے۔“ لیکن وسائل شرعیہ کو استعمال کرنے کے جواز میں یہ بات کافی نہیں کہ شارع نے اس سے منع نہیں کیا ہے، جیسا کہ اکثر لوگ یہ سمجھتے ہیں۔ بلکہ اس کے لئے ایسی نص شرعی کی ضرورت ہے جو اس کی مشروعیت اور استحباب کو ضروری قرار دیتی ہو۔ کیونکہ استحباب اباحت پر ایک زائد شے ہے، اس سے تقرب الہی حاصل ہوتا ہے اور ایسی طاعات صرف عدم ممانعت سے ثابت نہیں ہو سکتیں۔ اسی بنا پر بعض سلف کا کہنا ہے کہ ”جس عبادت کو رسول اللہ ﷺ کے اصحاب نے نہیں کیا وہ تم لوگ بھی مت کرو“۔ اور یہ بات ان احادیث سے اخذ ہوتی ہے جن میں دین میں نئی ایجاد سے منع کیا گیا ہے۔ اسی اصول کے تحت شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔ ”اصل عبادات میں منع ہے، البتہ کسی نص کے ذریعہ وہ چیز مباح ہوتی ہے، اور عادات میں اصل اباحت ہے، البتہ کسی نص کے ذریعہ وہ ممنوع ہوتی ہے۔“ یہ نہایت اہم اور بنیادی باتیں تھیں جنہیں یاد رکھنا چاہئے، کیونکہ اختلافات کے موقع پر حق سمجھنے میں یہ مددگار ہوں گی۔



مشروع وسیلہ اور اس کے اقسام

پچھلی بحث سے ہم نے یہ سمجھا کہ یہاں دو مستقل مسئلے ہیں! اول اس بات کا وجوب کہ وسیلہ شرعی ہو اور یہ کتاب و سنت کی صحیح دلیل کے بغیر معلوم نہیں ہو سکتا۔ اور دوسرے یہ کہ وسیلہ سبب کوئی ہو جس سے مقصود حاصل ہو جاتا ہو۔

ہم جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم فرمایا ہے کہ ہم اس سے دعا مانگیں اور مدد چاہیں۔ اس کا ارشاد ہے۔

أَدْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ ۝ (سورہ غافر)

ترجمہ: ”تم مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا قبول کروں گا جو لوگ میری عبادت سے ازراہ تکبر کتراتے ہیں عنقریب جہنم میں

داخل ہوں گے۔“

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ

يُرْشَدُونَ ۝ (البقرہ: ۱۸۶)

ترجمہ: ”جب آپ سے میرے بندے میری بابت دریافت کریں تو کہہ دو میں تمہارے پاس ہوں جب کوئی پکارنے والا مجھے

پکارتا ہے تو میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں تو ان کو چاہئے کہ میرے حکموں کو مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں تاکہ نیک رستہ پائیں۔“

اور اللہ عزوجل نے بہت سے مشروع وسیلے مقرر فرمائے ہیں جو مفید ہیں اور مراد کو پوری کرنے کا ذریعہ ہیں۔ اور ان وسائل کے ذریعہ جو شخص

اللہ سے دعا کرے گا اللہ نے اس کی مقبولیت کا ذمہ لیا ہے بشرط یہ کہ دعا کے دوسرے شرائط پورے ہوں۔ اس وقت ہم کو کسی تعصب اور سختی کے بغیر ان نصوص

شرعیہ پر غور کرنا چاہئے جن سے وسیلہ کا ثبوت ملتا ہے۔

قرآن کریم اور سنت مطہرہ پر غور کرنے کے بعد تین قسم کے وسیلے کا پتہ چلتا ہے جنہیں اللہ نے مشروع فرمایا ہے اور ان کے استعمال کی ترغیب دلائی

ہے ان میں سے کچھ تو قرآن میں موجود ہیں اور کچھ کو آنحضرت ﷺ نے استعمال کیا اور ہمیں ان کا حکم فرمایا، لیکن اس وسیلوں میں کہیں جاہ حقوق اور

مقامات کا کوئی وسیلہ نہیں؛ جس سے معلوم ہوا کہ اس قسم کے وسیلے مذکورہ بالا دونوں آیتوں میں بیان کردہ مشروع وسیلوں کی فہرست سے خارج ہیں۔ مشروع

وسیلوں میں سے پہلا وسیلہ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ اور صفات عالیہ کا وسیلہ ہے۔ مثلاً مسلمان اپنی دعا میں کہے۔

اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ بِأَنَّكَ أَنْتَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ أَنْ تُعَافِنِي ۝

ترجمہ: ”اے اللہ تجھ سے سوال کرتا ہوں اس وسیلہ سے کہ تو رحمان و رحیم لطیف و خبیر ہے کہ تو مجھے عافیت عطا فرما۔“

یا یوں کہے:

أَسْأَلُكَ بِرَحْمَتِكَ الَّتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ أَنْ تَرْحَمَنِي وَتَغْفِرَ لِي ۝

ترجمہ: ”اے اللہ تیری اس رحمت کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں جو ہر شے پر چھائی ہوئی ہے کہ تو مجھ پر رحم فرما اور مجھے بخش

دے۔“

یا یوں کہے:

اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ بِحُبِّكَ لِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ۝

ترجمہ: ”اے اللہ تجھ سے سوال کرتا ہوں اس وسیلہ سے کہ تو حضرت محمد ﷺ سے محبت کرتا ہے۔“

کیونکہ محبت بھی اللہ کی ایک صفت ہے۔

اس وسیلہ کی مشروعیت کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

وَلِلَّهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ فَادْعُوهُ بِهَا ۝ (الاعراف: ۱۸۰)

ترجمہ: ”اور اللہ کے اچھے نام ہیں، انہیں سے اس کو پکارو۔“

یعنی اللہ سے دعا کرو تو اس کے اسماء حسنیٰ کو وسیلہ بنا کر دعا کرو؛ کیونکہ اللہ کے اسماء حسنیٰ اس کی صفات ہیں جو صرف ذات الہی کے ساتھ خاص ہیں۔ اور ایک دلیل حضرت سلیمان علیہ السلام کی یہ دعا بھی ہے جس کا اللہ نے قرآن میں ذکر فرمایا ہے۔

رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَىٰ وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَأَدْخِلْنِي
بِرَحْمَتِكَ فِي عِبَادِكَ الصَّالِحِينَ ۝ (سورة النمل: ۱۹)

”اے میرے رب مجھے توفیق دے کہ تیری اس نعمت کا شکر ادا کروں جو تو نے مجھے اور میرے والدین کو عطا فرمائی اور مجھے توفیق دے کہ ایسا نیک عمل کروں جس سے تو راضی ہو اور مجھے اپنی رحمت کے وسیلے سے اپنے صالح بندوں میں داخل فرما۔“

انہیں دلائل میں سے ایک دلیل آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد بھی ہے جو نماز میں سلام سے قبل آپ اپنی دعاؤں میں پڑھا کرتے تھے۔
اللَّهُمَّ بَعْلَمِكَ الْغَيْبَ وَقَدْ رَتَكَ عَلَى الْخَلْقِ أَحْيَيْنِي مَا عَلِمْتَ الْحَيَاةَ خَيْرًا لِّي وَتَوَفَّنِي إِذَا كَانَتْ الْوَفَاةَ خَيْرًا لِّي
(النسائی والحاکم)

ترجمہ: ”اے اللہ تیرے علم غیب سے مخلوق پر تیری قدرت کے وسیلے سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے زندہ رکھ جب تک زندہ رہنا میرے لئے تو بہتر جانے اور مجھے وفات دے اگر وفات میرے لئے بہتر ہے۔“
ایک دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص سے سنا جو تشہد میں یہ دعا پڑھ رہا تھا۔

اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ يَا اللَّهُ الْوَاحِدُ الْوَاحِدُ الصَّمَدُ الَّذِي لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ أَنْ تَغْفِرَ لِي ذُنُوبِي،
إِنَّكَ أَنْتَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ فَقَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ غُفِرَ لَهُ ۝ (ابوداؤد والنسائی)

ترجمہ: ”اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں یا اللہ جو ایک اکیلا بے نیاز ہے نہ جنانہ جنانگیا نہ اس کے برابر کوئی ہے کہ میرے گناہ بخش دے بے شک تو ہی بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے تو آپ نے فرمایا اس کی بخشش کی گئی۔“
اور آپ نے ایک دوسرے شخص سے سنا جو اپنے تشہد میں کہہ رہا تھا:

اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ بِأَنَّ لَكَ الْحَمْدُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ وَحَدِّكَ لَا شَرِيكَ لَكَ الْمَنَّانُ يَا بَدِيعَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ يَا
ذَ الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ، يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ إِنِّي أَسْأَلُكَ الْجَنَّةَ وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ النَّارِ ۝

ترجمہ: ”اے اللہ تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ تیرے ہی لئے سب تعریف ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو اکیلا ہے، تیرا کوئی شریک نہیں، اے احسان کرنے والے، اے آسمان وزمین کے ایجاد کرنے والے، اے جلال و بزرگی والے، اے ہمیشہ زندہ رہنے والے، اے نگرانی کرنے والے، میں تجھ سے جنت مانگتا ہوں اور جہنم سے پناہ چاہتا ہوں۔“

آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا: ”جانتے ہو اس نے کس وسیلے سے دعا کی؟“ صحابہ کرام نے فرمایا: ”اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔“ تب آپ نے فرمایا: ”اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، اس نے اللہ کو اس عظیم نام سے (اور ایک روایت میں ہے کہ اللہ کے سب سے بڑے نام سے) پکارا ہے کہ جب بھی اس کو اس نام سے پکارا جاتا ہے تو وہ قبول کرتا ہے اور جب بھی اس نام سے سوال کیا جاتا ہے تو وہ دیتا ہے۔“

ایک اور دلیل یہ بھی ہے کہ آپ کا یہ ارشاد ہے کہ جس کو زیادہ غم و فکر ہو وہ اس دعا کو پڑھے:

اللَّهُمَّ إِنِّي عَبْدُكَ وَابْنُ عَبْدِكَ، وَابْنُ أَمَتِكَ، نَاصِيَتِي بِيَدِكَ، مَاضٍ فِي حُكْمِكَ، عَدْلٌ فِي قَضَائِكَ، أَسْأَلُكَ بِكُلِّ
إِسْمٍ هُوَ لَكَ سَمِيَتْ بِهِ نَفْسِكَ أَوْ عَلَّمْتَهُ أَحَدًا مِّنْ خَلْقِكَ أَوْ أَنْزَلْتَهُ فِي كِتَابِكَ أَوْ اسْتَأْثَرَتْ بِهِ فِي عِلْمِ الْغَيْبِ عِنْدَكَ،

أَنْ تَجْعَلَ الْفُرَانَ رِبْعَ قَلْبِي، وَنُورَ صَدْرِي، وَجَلَاءَ حُزْنِي، وَذَهَابَ هَمِّي، إِلَّا أَذْهَبَ اللَّهُ هَمَّهُ وَحُزْنَهُ وَأَبْدَلَهُ مَكَانَهُ
فَرَجًا ۝ (مسند احمد)

ترجمہ: ”اے اللہ بے شک میں تیرا بندہ ہوں اور تیرے بندے کا بیٹا ہوں اور تیری بندی کا بیٹا ہوں، میری پیشانی تیرے ہاتھ میں ہے، میرے اندر تیرا حکم جاری ہے، میرے بارے میں تیرا فیصلہ انصاف کے مطابق ہے، میں سوال کرتا ہوں ہر اس نام کے وسیلہ سے جو تیرے لئے خاص ہے، جس کو تو نے اپنی ذات کیلئے موسوم کیا ہے، یا اپنی مخلوق میں سے کسی کو سکھایا ہے، یا اپنی کتاب میں اس کو نازل کیا ہے، یا اپنے پاس علم غیب میں اس کو ترجیح دیا ہے۔ کہ تو قرآن کو میرے دل کی بہار بنا دے اور میرے سینے کا نور اور میرے رنج کی صفائی اور غم کو دور کرنے کا ذریعہ بنا دے۔ تو اللہ اس کا رنج اور غم دور کر دیتا ہے اور اس کے بدلے کشاہدی دے دیتا ہے۔“ اور انہیں میں سے آپ کا یہ استعاذہ بھی ہے:

اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِعِزَّتِكَ لِأَلِهَ إِلَّا أَنْتَ أَنْ تُضَلَّنِي ۝ (متفق علیہ)

ترجمہ: ”اے اللہ! پناہ چاہتا ہوں تیری عزت کے وسیلے سے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں، اس بات سے کہ تو مجھے گمراہ کر دے۔“ اور یہ دعا بھی جو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی امر درپیش ہوتا تو فرماتے تھے
يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ أَسْتَغِيْثُ ۝ (ترمذی)

ترجمہ: ”اے زندہ ہمیشہ رہنے والے، تیری رحمت کے وسیلہ سے فریاد کرتا ہوں۔“

یہ اور اس جیسی احادیث سے بصراحت واضح ہو گیا کہ بارگاہِ الہی کا مشروع وسیلہ اس کے ناموں میں سے کسی نام کا ہے یا اس کی صفات میں سے کسی صفت کا، نیز یہ کہ یہ وسیلہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کو پسند ہے۔ اسی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی دعائیں اس کو استعمال فرمایا ہے۔ اللہ کا ارشاد ہے:

وَمَا اتَّكُمُ الرَّسُوْلُ فَاْخُذُوْهُ ۝ (الحشر: ۸)

ترجمہ: ”اور اللہ کے رسول جو کچھ دیں اس کو لے لو۔“

اس آیت کی روشنی میں ہمارے لئے یہ مشروع ہو گیا کہ ہم بھی اپنی دعاؤں میں انہیں الفاظ کے ذریعہ اللہ سے مانگیں جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے استعمال کیا۔ یہ بات ہزار درجہ بہتر ہے اس سے کہ ہم اپنی طبیعت سے دعائیں گڑھیں اور ان کے جملے بنائیں۔

عمل صالح کا وسیلہ:

مثلاً مسلمان اپنی دعا میں کہے: ”اے اللہ تجھ پر میرے ایمان، تیرے لئے میری محبت اور تیرے رسول کے لئے میری اتباع کے وسیلے سے میری مغفرت فرما۔“ یا یوں کہے: ”اے اللہ! تجھ سے سوال کرتا ہوں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے میری محبت اور ان پر میرے ایمان کے وسیلے سے کہ تو میری مصیبت دور فرما۔“

عمل صالح کا وسیلہ یہ بھی ہے کہ دعا کرنے والا کسی ایسے صالح عمل کو یاد کرے جس میں اللہ تعالیٰ سے اس کا خوف، اللہ سے اس کا تقویٰ اور اللہ کی رضا کو ہر چیز پر ترجیح دینا تاکہ دعا کی قبولیت و حاجت کے لئے زیادہ باعث اُمید ہو۔ یہ نہایت عمدہ وسیلہ ہے جسے اللہ نے مشروع اور پسند فرمایا ہے۔ اس کی مشروعیت پر اللہ کا یہ ارشاد دلیل ہے:

۱ - الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا اِنَّا اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ (آل عمران: ۵۳)

ترجمہ: ”جو اللہ سے التجا کرتے ہیں کہ پروردگار ہم ایمان لے آئے، لہذا ہمارے گناہ معاف فرما اور دوزخ کے عذاب سے محفوظ

رکھ۔“

۲- رَبَّنَا إِنَّمَا أَمْنَا بِمَا أَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُولَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ ۝ (آل عمران: ۵۳)

ترجمہ: ”اے ہمارے رب، ہم ایمان لے آئے اس کتاب پر جو تو نے نازل فرمائی اور تیرے پیغمبر کے متبع ہو چکے تو ہم کو ماننے والوں میں لکھ رکھ۔“

۳- رَبَّنَا إِنَّا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُنَادِي لِلْإِيمَانِ أَنْ آمِنُوا بِرَبِّكُمْ فَآمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّئَاتِنَا وَ تَوَفَّنَا مَعَ الْأَبْرَارِ ۝ (آل عمران: ۱۹۳)

ترجمہ: ”اے ہمارے پروردگار ہم نے ایک ندا کرنے والے کو سنا کہ ایمان کے لئے پکار رہا تھا یعنی اپنے پروردگار پر ایمان لاؤ تو ہم ایمان لے آئے۔ اے پروردگار ہمارے گناہ معاف فرما اور ہماری برائیوں کو ہم سے محو کر اور ہم کو دنیا سے نیک بندوں کے ساتھ اٹھا۔“

اس قسم کی دوسری آیات کریمہ ہیں جو اس توہم کی مشروعیت کو ثابت کرتی ہیں۔

اسی طرح بریدہ بن الحصیبؓ کی وہ حدیث بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو سنا جو کہہ رہا تھا:

اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ بِأَنِّي أَشْهَدُ أَنَّكَ أَنْتَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ الْأَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِي لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ - فَقَالَ قَدْ سَأَلَ بِاسْمِهِ الْأَعْظَمِ الَّذِي إِذَا سُئِلَ بِهِ أُعْطِيَ وَإِذَا دُعِيَ بِهِ أُجَابَ ۝ (احمد)

ترجمہ: ”اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اس وسیلہ سے کہ بے شک میں گواہی دیتا ہوں کہ یقیناً تو ہی وہ اللہ ہے کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو اکیلا بے نیاز ہے جس کے نہ اولاد ہے نہ وہ کسی کی اولاد ہے نہ اس کے برابر کوئی ہے۔ تو آپ نے فرمایا: اس نے اس اسم اعظم کے ذریعہ سوال کیا ہے جس سے جب بھی سوال کیا گیا اس نے دیا اور اس کے ذریعہ جب بھی دعا کی گئی اس نے قبول کیا۔“

اور ان اعمال صالحہ کے ضمن میں اصحاب غار کا قصہ بھی آتا ہے جسے حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ:

”تم سے پہلے جو لوگ گذر چکے ہیں ان میں سے تین آدمیوں کی ایک جماعت سفر کر رہی تھی کہ رات بسر کرنے کے لئے وہ لوگ ایک غار میں پناہ گزین ہوئے۔ جب وہ غار میں داخل ہوئے تو پہاڑ پر سے ایک چٹان لڑھک کر گری اور غار کا منہ ان پر بند کر دیا، تب وہ لوگ آپس میں کہنے لگے کہ تم کو چٹان سے اب صرف یہی عمل بچا سکتا ہے کہ تم اپنے صالح اعمال کے وسیلہ سے اللہ سے دعا مانگو۔ اور ”مسلم“ میں ہے کہ ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا: ”ایسے صالح اعمال کو دیکھو جو تم نے خالصتہً لہذا کیا ہے اور انہیں اعمال کے وسیلہ سے اللہ سے دعا مانگو شاید اس چٹان کو تم سے ہٹا دے۔“ ان میں سے ایک شخص نے کہا: اے اللہ میرے ماں باپ دونوں ہی بوڑھے تھے اور شام کا دودھ ان سے پہلے نہ اپنے بال بچوں کو پلاتا نہ دوسروں کو۔ ایک دن ایک درخت کی تلاش میں دور نکل گیا اور میں اپنے جانوروں کو لے کر ان کے پاس بہت دیر سے واپس ہوا جبکہ وہ دونوں ہی سو چکے تھے۔ میں نے ان کے لئے دودھ دوہا تو وہ سوئے ہوئے تھے۔ میں نے پسند نہیں کیا کہ ان کو دودھ پلانے سے پہلے اپنے بال بچوں اور دوسروں کو پلاؤں۔ میں پیالہ ہاتھ میں لے کر کھڑا ان کے بیدار ہونے کا انتظار کرتا رہا یہاں تک کہ فجر روشن ہو گئی۔ تب وہ جاگے اور دودھ پیا۔ اے اللہ اگر میں نے ایسا محض تیری رضا کے لئے کیا ہے تو اس چٹان کے سبب ہم جس مصیبت میں ہیں اس کو دور فرما۔“ چٹان تھوڑی سی کھسک گئی لیکن اتنی نہیں کہ وہ لوگ نکل سکیں۔

آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ دوسرے شخص نے کہا ”میرے چچا کی ایک لڑکی تھی جو مجھے سب سے زیادہ پیاری تھی۔ میں نے

اس سے برائی کا ارادہ کیا لیکن اس نے انکار کر دیا۔ پھر وہ ایک سال بدترین قحط سالی کا شکار ہو کر میرے پاس آئی۔ میں نے اس کو ایک سو بیس دینار اس شرط پر دیئے کہ وہ میرے اور اپنے درمیان تخلیہ کر دے۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ جب میں نے اس پر قابو پایا تو کہنے لگی، اے بندہ اللہ! اللہ سے ڈرا اور اس مہر کو اس کے حق کے ساتھ ہی توڑ۔ یہ سن کر میں اس پر بارہونے سے رُک گیا اور اس کو چھوڑ کر واپس ہو گیا حالانکہ وہ مجھے سب سے زیادہ محبوب تھی اور وہ دینار بھی میں نے چھوڑ دیا جو اس کو دے چکا تھا۔ اے اللہ! اگر میں نے ایسا محض تیری رضا کی خاطر کیا ہے تو ہم جس مصیبت میں ہیں اس کو ہم سے دُور کر دے۔“ چٹان کھسک گئی لیکن اتنی نہیں کہ سب نکل سکیں۔

آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ تیسرے شخص نے کہا: ”اے اللہ میں نے بہت سے مزدوروں سے مزدوری کرائی اور سب کو اجرت دے دی سوائے ایک شخص کے جو اپنی مزدوری چھوڑ کر چلا گیا۔ میں نے اس کی مزدوری کو خوب بڑھایا۔ یہاں تک کہ اس کی مزدوری سے مال کی بہتات ہو گئی۔ بہت دنوں بعد وہ شخص میرے پاس آیا اور کہنے لگا بندہ اللہ! میری مزدوری دیدو۔“ میں نے اس سے کہا، ”یہ جتنے اونٹ گائے بکری اور غلام تم دیکھ رہے ہو سب تمہاری ہی مزدوری کے ہیں۔“ اس نے کہا، ”اللہ کے بندے مجھ سے مذاق کرتے ہو؟“ میں نے کہا: ”تم سے میں مذاق نہیں کرتا۔“ تب اس نے سب کو لیا اور ہانک کر لے گیا اور کچھ نہیں چھوڑا۔ اے اللہ! اگر میں نے ایسا محض تیری رضا کے لئے کیا ہے تو اس چٹان کے سبب ہم جس مصیبت میں ہیں اس کو ہم سے دور فرما۔“ چٹان کھسک گئی اور سب لوگ نکل کر چلے گئے۔

اس حدیث سے واضح ہو گیا کہ ان تینوں مومن مردوں کو جب مصیبت نے جکڑ لیا اور وہ تنگی میں پڑ گئے اور اپنی نجات کی تمام راہوں سے وہ مایوس ہو گئے اور صرف اللہ تبارک و تعالیٰ ہی کی راہ کو کھلا پایا تو وہ سب اللہ ہی کی طرف رجوع ہوئے اور اس کو پورے خلوص کے ساتھ پکارا اور دعا کرتے وقت اپنے ان اعمال صالح کو یاد کیا۔ جنہیں انہوں نے امن و اطمینان کے وقت کیا تھا اس اُمید پر کہ مصیبت کے وقت میں ان اعمال کے سبب اللہ ان پر رحم فرمائے گا، جیسا کہ حدیث نبوی ﷺ میں وارد ہے۔ ”سہولت کے وقت اللہ کی معرفت حاصل کرو، مشکل کے وقت اللہ تم کو پہچان لے گا۔“ سب نے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی بارگاہ میں ان اعمال کا وسیلہ لیا۔ پہلے شخص نے والدین کے ساتھ اپنے حسن سلوک اور اپنی شدید محبت اور نرمی کا وسیلہ لیا۔ ایسی رافت و رحمت تو انبیاء کرام کے علاوہ شاید ہی کوئی دوسرا انسان اپنے والدین کے ساتھ کر سکتا ہو۔

دوسرے شخص نے اپنی اس بچپانہ محبت کے ساتھ زنا سے بچنے کا وسیلہ لیا جس سے وہ سب سے زیادہ محبت کرتا تھا حالانکہ وہ اس پر پوری طرح قابو پا چکا تھا اور لڑکی اپنی بھوک اور تنگی کے سبب دل کی کراہت کے باوجود خود کو اس کے سپرد کر چکی تھی، پھر بھی اس نے اس کو اللہ کی یاد دلائی جس سے اس کا دل بیدار ہو گیا اور اس کے ہاتھ پاؤں ڈھیلے پڑ گئے اور اس نے لڑکی کو بھی آزاد کر دیا اور اس کو دیا ہو مال بھی چھوڑ دیا۔

اور تیسرے شخص نے اپنے مزدور کی چھوٹی ہوئی اجرت کی نگہداشت کا وسیلہ لیا جو صرف تین صاع چاول کے برابر تھی، جیسا کہ صحیح روایت میں موجود ہے۔ مزدور تو اپنی مزدوری چھوڑ کر چلا گیا لیکن اس کام کرنے والے نے اس کو اتنا بڑھایا کہ گائے اونٹ اور بکریوں کا ریوڑ بن گیا۔ مزدور کو جب اپنی حقیر و معمولی مزدوری یاد آئی تو وہ مالک کے پاس آیا اور اپنا حق مانگا۔ مالک نے وہ سارا مال اس کے حوالہ کر دیا جس سے وہ گھبرا گیا اور سمجھا کہ مالک نے اس کے مال کو بڑھا کر یہ پورا خزانہ بنا دیا ہے تو وہ خوش خوش سب لے کر چلا گیا۔

یہ حقیقت ہے کہ کام کرانے والے کا یہ کارنامہ مزدوروں کے ساتھ احسان کرنے کا ایک نادر واقعہ ہے اور مزدور کی رعایت اور اکرام کی ایک اعلیٰ مثال ہے، اور جو لوگ آج مزدوروں کی حمایت اور ان کے ساتھ انصاف کا دم بھرتے ہیں اس کے عشرِ شیر بھی خدمت و سلوک نہیں کر سکتے۔

ان تینوں نے اپنے ان اعمال صالح کے وسیلہ سے اللہ رب العالمین کو پکارا انہوں نے صاف طور پر واضح کر دیا کہ یہ اعمال انہوں نے صرف اللہ کی

رضا کی خاطر کئے تھے۔ دنیا کی کسی ادنیٰ غرض یا مصلحت وقت یا جاہ و مال کی قطعاً نیت ان کے دل میں نہ تھی۔ اللہ سے انہوں نے دُعا کی کہ ان کی تنگی کو دور فرمائے اور اس مصیبت سے ان کو نجات دے۔ اللہ نے ان کی دعا قبول فرمائی، ان کی مشکل آسان کی، اللہ نے ان کے ساتھ ان کے حسن ظن کے مطابق ہی معاملہ کیا۔ ان کے لئے عادات کو توڑ ڈالا اور اس کرامت ظاہرہ کے ساتھ ان کو عزت دی اور تین مراحل میں چٹان کو بتدریج اس طرح سرکایا کہ جب ان میں سے کسی نے دعا کی تو چٹان تھوڑی سی سرک گئی، یہاں تک کہ تیسرے کی دُعا کے وقت پورے طور پر چٹان ہٹ گئی، حالانکہ وہ یقینی طور پر موت کے منہ میں جا چکے تھے۔

آنحضرت ﷺ نے یہ بہترین قصہ جو پردہ غیب میں تھا اور جس کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا تھا ہم سے محض اس لئے بیان فرمایا تاکہ پچھلی امتوں کے مثالی حضرات کے قابل نمونہ اعمال کی یاد تازہ ہو اور ہم ان کی اقتداء کریں اور ان کے حالات سے بہترین درس اور کامل عبرت و موعظت حاصل کریں۔ یہاں کسی کو یہ اعتراض نہیں ہونا چاہئے کہ یہ اعمال تو رسول اللہ ﷺ کی نبوت سے قبل کے ہیں، ہم پر کیسے لاگو ہو سکتے ہیں؟ اس لئے کہ علم اصول کا یہ مسئلہ ہے کہ ہم سے پہلے والوں کی شرع ہمارے لئے شرع نہیں ہے۔ یہ اعتراض اس لئے صحیح نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ واقعہ محض مدح و ثنا کے طور پر بیان فرمایا ہے اور آپ نے اسے بطور خود ثابت بھی فرمایا ہے، بلکہ اس کے اقرار و اثبات سے بڑھ کر ان کا وہ وسیلہ عمل بھی ہے جسے انہوں نے بارگاہِ الہی میں پیش کیا اور یہ واقعہ وسیلہ والی ان آیات کی عملی شرح و تطبیق بھی ہے جن کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ اور آسمانی شریعتیں اپنے مقاصد تعلیم و توجیہ اور اغراض و اہداف کے اعتبار سے ایک دوسرے کے ساتھ ملی ہوئی ہیں۔ اور یہ کوئی نئی بات بھی نہیں ہے کیونکہ یہ سب ایک ہی چشمہ سے پھوٹی ہیں اور ایک ہی مرکز نور سے نکلتی ہیں اور خاص طور پر ان معاملات میں جو بندوں اور رب العالمین سے متعلق ہیں۔

مرد صالح کی دُعا کا وسیلہ:

مثلاً کوئی مسلمان کسی شدید تنگی کا شکار ہو یا اس پر کوئی بڑی مصیبت آپڑی ہو اور وہ جانتا ہو کہ اللہ کی اطاعت میں اس کی طرف بڑی کوتاہی واقع ہوئی ہے، اب وہ چاہتا ہے کہ بارگاہِ الہی تک کوئی مضبوط ذریعہ حاصل کرے لہذا وہ کسی ایسے شخص کے پاس جاتا ہے جس کے صلاح و تقویٰ اور کتاب و سنت کے ساتھ اس کے علم و فضل پر اس کو پورا اعتقاد ہوتا ہے اور وہ اس مرد صالح سے درخواست کرتا ہے کہ میرے لئے اللہ دُعا فرمائیں کہ وہ میری مصیبت دور کر دے اور غم و الم کا ازالہ فرمادے تو یہ بھی مشروع وسیلہ کی ایک قسم ہے۔ شریعت مطاہرہ اس کی طرف رہنمائی کرتی ہے اور سنت شریفہ میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے فعل سے اس کے نمونے ملتے ہیں، جس کی مثال حضرت انس بن مالکؓ کی یہ روایت بھی ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

”رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں لوگوں پر قحط پڑا۔ ایک جمعہ کو رسول اللہ ﷺ منبر پر کھڑے خطبہ دے رہے تھے کہ ایک دیہاتی منبر کے سامنے والے دروازے سے مسجد میں داخل ہوا۔ آپ کھڑے ہی تھے کہ اس نے سامنے آ کر کہا یا رسول اللہ! مال تباہ ہو گیا، بچے بھوکے ہو گئے، جانور ہلاک ہو گئے، روزی کے سارے دروازے بند ہو گئے۔ اللہ سے ہمارے لئے دعا فرمائیے کہ ہمیں بارش سے سیراب فرمائے۔ آپ نے دُعا کے لئے دونوں ہاتھ اٹھائے اتنے کہ میں نے آپ کے بغل کی چمک دیکھی۔ آپ دُعا میں کہہ رہے تھے اے اللہ ہماری فریاد سن لے، اے اللہ! ہماری فریاد سن لے۔“ آپ کے ساتھ سبھی لوگ ہاتھ اٹھائے دُعا کر رہے تھے۔ البتہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر یہ نہیں بتایا کہ آپ نے اپنی چادر پلٹ دی اور نہ ہی یہ کہ قبلہ کو سامنے کر لیا۔ اور اللہ ہم نے آسمان میں بدلی وغیرہ کچھ نہیں دیکھی جبکہ ہمارے اور سلع کے درمیان نہ گھر تھا نہ مکان اور آسمان بھی بالکل شیشے کی طرح صاف و شفاف تھا۔ اس کے ساتھ ہی سلع کے پیچھے سے ڈھال کی مانند ایک بدلی نکلی، آسمان کے بیچ میں آ کر پھیل گئی اور بارش ہونے لگی۔ قسم ہے اللہ کی بدلی پہاروں کی طرح پھٹ گئی۔ آپ ابھی منبر سے اترے نہیں تھے کہ بارش آپ کی داڑھی سے ٹپکنے

گئی۔“

ایک دوسری روایت میں یوں ہے کہ: ”ہوا کا جھکڑ اٹھا جس سے بدلی پھیل گئی اور گھنی ہو گئی اور آسمان نے اپنے دھانے کھول دیئے۔ آپ منبر سے اترے اور نماز پڑھی، ہم لوگ مسجد سے نکلے اور پانی میں چلتے ہوئے گھروں تک پہنچے۔“

ایک اور روایت میں تو یہاں تک ہے کہ ”بارش اتنی ہوئی کہ آدمی کا گھر تک پہنچنا مشکل ہو گیا۔ اس روز پورے دن تک بارش ہوتی رہی، پھر دوسرے تیسرے دن حتیٰ کہ دوسرے جمعہ تک ہوتی رہی، بند ہی نہیں ہوئی۔ مدینہ کی نالیوں میں سیلابی کیفیت پیدا ہو گئی۔ اللہ گواہ ہم نے چھ دن تک سورج نہیں دیکھا۔“

پھر وہی دیہاتی دوسرے جمعہ کو اسی روز دروازے سے مسجد میں داخل ہوا۔ رسول اللہ ﷺ خطبہ دے رہے تھے، وہ آپ کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا گھر گئے، راستے کٹ گئے، مویشی ہلاک ہو گئے اور مال پانی میں غرق ہو گئے۔ آپ اللہ سے دعا فرمائیے کہ بارش بند کر دے۔ رسول اللہ ﷺ مسکرا اٹھے، اپنا ہاتھ دُعا کے لئے اٹھایا اور فرمایا:

اللَّهُمَّ حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا، اللَّهُمَّ عَلَى رُءُوسِ الْجِبَالِ وَالْأَكَامِ، وَبُطُونَ الْأَوْدِيَةِ وَمَنَابِتِ الشَّجَرِ

ترجمہ: ”اے اللہ! بارش ہم پر نہیں ہمارے آس پاس برسنا۔ اے اللہ! پہاڑوں اور ٹیلوں کی چوٹیوں پر برسنا اور وادیوں کے نشیب اور جنگلوں پر برسنا۔“

آپ ہاتھ سے بدلی کی طرف اشارہ کرتے اور بدلی گڑھے کی طرح پھٹتی جاتی تھی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آسمان کی طرف دیکھا تو مدینہ کی سمت کی بدلیاں داہنے بائیں طرف چھٹنے لگیں، جیسے پردہ ہٹا لیا گیا ہو۔ ہم مسجد سے نکلے تو دُھوپ چمک رہی تھی۔ اللہ نے اپنے نبی کی کرامت اور دُعا کی قبولیت لوگوں پر واضح کر دی۔ وادی ایک ماہ تک نہر کی طرح بہتی رہی۔ کوئی کسی بھی سمت سے مدینہ آتا تو اس بارش سے اس کو سابقہ پڑتا۔“

اور اسی کی وہ حدیث بھی ہے جسے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ لوگ جب قحط میں مبتلا ہوتے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب کے ذریعہ بارش طلب کرتے اور یوں دعا کرتے۔ ”اے اللہ! ہم تجھ سے اپنے نبی ﷺ کے وسیلہ سے بارش مانگا کرتے تھے تو ہمیں سیراب کرتا تھا اور اب ہم تیرے نبی ﷺ کے چچا کے وسیلہ سے بارش طلب کر رہے ہیں لہذا تو ہمیں بارش عطا فرما۔“ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایسا کہنے پر لوگوں کو بارش ملتی تھی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ! ہم تیرے نبی ﷺ کے پاس ان کی زندگی میں جایا کرتے تھے اور ان سے درخواست کرتے تھے کہ ہمارے لئے بارش کی دعا فرمائیں اور ان کی دعا کے ذریعہ ہم تقریب الہی حاصل کرتے تھے اور اب جبکہ وہ رفیق اعلیٰ سے جا ملے اور ان کے لئے اب ممکن نہ رہا کہ ہمارے لئے دُعا فرمائیں تو اب ہم اپنے نبی ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے پاس جاتے ہیں اور ان سے اپنے لئے دُعا کی درخواست کرتے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مذکورہ بالا قول کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ لوگ اپنی دعاؤں میں یوں کہا کرتے تھے۔ ”اے اللہ! ہمیں اپنی نبی ﷺ کے جاہ سے بارش دے۔“ اور اب آپ کی وفات کے بعد لوگ یوں کہنے لگے ”اے اللہ! حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے جاہ سے ہمیں بارش عطا کر۔ کیونکہ اس طرح دُعا کرنا بدعت ہے۔ کتاب و سنت میں اس کی اصل و بنیاد نہیں ہے اور نہ ہی سلف صالح میں کسی ایک نے ایسا کیا ہے۔

اور اسی ضمن میں یہ روایت بھی آتی ہے جس کو حافظ ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں سند صحیح کے ساتھ تابعی جلیل سلیم بن عامر الخبازی سے روایت کیا ہے کہ ”آسمانی قحط نازل ہوا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ اور اہل دمشق استسقاء کے لئے نکلے۔ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ منبر

پر تشریف لے گئے تو فرمایا: یزید بن الاسود الجرشى کہاں ہیں؟ لوگوں نے ان کو آواز دی۔ حضرت یزید لوگوں کو پھاندتے ہوئے آئے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حکم دیا تو وہ بھی منبر پر چڑھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاؤں کے پاس بیٹھ گئے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”اے اللہ ہم تیرے پاس سفارش لے کر آئے ہیں اپنے سب سے بہتر اور افضل شخص کے ذریعہ۔ اے یزید اپنے دونوں ہاتھوں اللہ کی طرف اٹھاؤ۔ انہوں نے دونوں ہاتھ اٹھائے اور سب لوگوں نے بھی ہاتھ اٹھائے۔ تھوڑی ہی دیر بعد مغرب سمت میں ایک بدلی ڈھال کی مانند نکلی اور اس کو ہوا لیکر اڑی اور ہم کو اس طرح سیراب کر ڈالا کہ لوگ اپنے مکانوں تک پہنچ نہیں پاتے تھے۔“

اور ابن عساکر نے سند صحیح سے یہ بھی روایت کیا ہے کہ ضحاک بن قیس استسقاء کیلئے لوگوں کو لے کر نکلے اور یزید بن الاسود سے کہا: اے رونے والے اٹھ ”چنانچہ انہوں نے ابھی تین بار ہی دُعا کی تھی کہ اتنی شدید بارش ہونے لگی کہ لوگوں کے ڈوب جانے کا خطرہ معلوم ہونے لگا۔“ دیکھئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی نبی ﷺ کا وسیلہ نہیں لیتے تھے بلکہ اس مرد صالح یزید بن الاسود کے وسیلہ سے دُعا مانگتے تھے اور ایسا ہی حضرت ضحاک بن قیس کے عہد ولایت میں بھی ہوا تو انہوں نے بھی ایسا ہی کہا اور اللہ نے دونوں کی دُعا میں قبول فرمائیں۔

خلاصہ کلام:

وسیلہ کی ان تینوں مشروع قسموں کے علاوہ ہر قسم کا وسیلہ حرام و باطل ہے جس کی کتاب و سنت سے کوئی دلیل ثابت نہیں اور علماء محققین نے ہر دور میں ان مخالفت شرع و سیلوں کی سخت تردید کی ہے اور مخلوق کے وسیلہ سے سب نے ہی منع کیا ہے

قرآن مجید کی تمام دعائیں پڑھ ڈالنے کسی میں بھی ”کسی کے جاہ حق یا حرمت و مرتبہ کا وسیلہ کا ذکر نہیں۔ انبیاء سابقین میں سے بھی کسی کی دُعا میں ایسا اشارہ تک موجود نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی جن دعاؤں کی تعلیم دی ہے وہ سب کی سب ان اختراعی اور من گھڑت وسیلوں سے یکسر پاک و صاف ہیں۔ دعاء استخارہ ہو یا دعاء حاجت کسی قسم کی دُعا میں بھی اس غیر مشروع وسیلہ کا ذکر نہیں ہے۔ اس کے باوجود لوگ مسنون و مشروع وسیلہ کو چھوڑ کر حرام و باطل وسیلہ کو استعمال کر رہے ہیں؛ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس قسم کے لوگ مشروع وسیلہ کی حقیقت ہی سے نا آشنا ہو گئے اور اب سوائے باطل و حرام وسیلہ کے ان کی زبان پر کوئی مشروع وسیلہ کا ذکر نہیں آتا۔ تابعی جلیل حضرت حسان بن عطیہ المحاربی نے بالکل صحیح کہا ہے۔ ”جب لوگ دین میں کسی بدعت کا اضافہ تو اس جیسی کوئی سنت ان سے چھین لی جاتی ہے پھر قیامت تک وہ سنت ان میں لوٹائی نہیں جاتی۔“

اس غیر مشروع وسیلہ کی تردید ہم ہی نہیں بلکہ کبار ائمہ و علماء راہنہین نے بھی کی ہے چنانچہ در مختار (ج ۲ ص ۶۳۰) میں جو حنفیہ کی مشہور کتاب ہے، حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول موجود ہے۔ ”کسی کے لئے مناسب نہیں کہ اللہ سے اس کے اسماء حسنیٰ کے علاوہ کسی اور ذریعہ سے دعا کرے۔ کیونکہ ماذون و ماثور دُعا کا طریقہ تو اللہ کے اس ارشاد سے معلوم ہو جاتا ہے:

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰی فَادْعُوْهُ بِهَا ۝

ترجمہ: ”اللہ کے اچھے نام ہیں، انہیں ناموں سے اس کو پکارو۔“

اور بشر بن الولید کا بیان ہے کہ امام ابو یوسف نے کہا کہ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کسی کے لئے جائز نہیں کہ اللہ کے سوا کسی اور واسطے سے دعا کرے۔ اور میں حرام سمجھتا ہوں کہ کوئی یوں دُعا مانگے۔ ”اے اللہ تجھ سے سوال کرتا ہوں تیرے عرش کی منزل عزت کے وسیلہ سے، تیری مخلوق کے حق کے وسیلہ سے۔“ اور قدوری نے کہا: ”مخلوق کے واسطے سے سوال کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ مخلوق کا خالق پر کوئی حق نہیں۔“

اور زبیدی نے ”شرح الاحیاء“ میں لکھا ہے کہ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے دونوں اصحاب نے اس طرح کہنا حرام قرار دیا ہے ”اے اللہ فلاں کے حق کے واسطے سے سوال کرتا ہوں، یا تیرے انبیاء اور رسول یا بیت الحرام اور مشعر الحرام کے حق سے سوال کرتا ہوں۔“ کیونکہ اللہ پر کسی کا کوئی حق نہیں۔“

تمت بالخیر الحمد للہ

مقدمتاً

إِنَّ الْحَمْدَ لِلَّهِ نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِينُهُ وَنَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَهْدِهِ اللَّهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ، وَمَنْ يُضِلَّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ. يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ۝ (آل عمران: ۱۰۲)

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا ۝

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا ۝ (الاحزاب: ۴۰-۴۱)

أَمَّا بَعْدُ، فَإِنَّ خَيْرَ الْكَلَامِ كَلَامُ اللَّهِ وَخَيْرَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَشَرُّ الْأُمُورِ مُحَدَّثَاتُهَا وَكُلُّ مُحَدَّثَةٍ بَدْعَةٌ وَكُلُّ بَدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَكُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ ۝
اس کتاب کو پڑھنے والے میرے معزز مسلمان بھائیو!

آپ کے سامنے میں ایک ایسی کتاب پیش کر رہا ہوں جس میں میں نے بڑی محنت کی ہے اور اس بات کا التزام کیا ہے کہ اس میں صرف وہی حق باتیں پیش کروں گا جن کی تائید قرآنی دلائل اور براہین سنت اور سلف صالحین کی سیرت و منہج سے ہوتی ہے۔

سلف صالح کی تعریف کی میں ضرورت محسوس نہیں کرتا سب کو معلوم ہے کہ سلف صالح سے مراد حضرت محمد ﷺ، آپ کے اصحاب کرام اور خیر القرون کے لوگ ہیں جن کے صاحب خیر ہونے کی شہادت دی جاتی ہے اور جو لوگ بھی ان کے طور طریقے پر چلے۔

یہ کتاب ایک ایسے عظیم موضوع پر بحث کر رہی ہے جس میں سلف و خلف کا اختلاف و نزاع قائم رہا ہے اور وہ موضوع ”توسل“ کا ہے یعنی اللہ کی مرضی اور پسند کی باتوں کے ذریعہ اللہ کا قرب چاہنا۔

لیکن اس مطلوب و مقصود تک پہنچنے کی راہ پر سلف سے خلف تک لوگ بہت شاذ و نادر ہی اس پر چلے لوگ ایسی مختلف راہوں پر چلتے رہے یعنی ان راہوں پر جو سیدھی اور صراط مستقیم نہ تھی جو انہیں فوز و رضا کی بلندیوں تک پہنچا سکتی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہیں ان راستوں نے سیدھی راہ سے ہٹا دیا اور مقصود مطلوب تک پہنچنے سے بھٹکا دیا، ارشاد الہی ہے۔

وَأَنَّ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ ذَلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ
ترجمہ: ”اور یہ میری راہ ہے سیدھی پس اسی پر چلو اور دوسری راہوں پر مت چلو ورنہ وہ تم کو صراط مستقیم سے جدا کر دے گی یہ وہ بات ہے جس کی اللہ نے تم کو تاکید کی ہے تاکہ تم ڈرو۔“ (الانعام: ۱۵۳)

ہمارا یہ موضوع بحث خالص سلفی ہے جو علمی اسلوب پر سہل اور جدید طریقے پر ابواب کی تفصیل کے ساتھ ایسا سلسلہ وار پیش کیا گیا ہے جس سے پڑھنے والا بہت آسان بسط اور پُرکشش انداز میں موضوع کو سمجھ جاتا ہے ساتھ ہی اس میں دلائل واضح ہیں جو سلف کی حجت اور خلف کی رائے پر مشتمل ہیں۔ اس طرح پڑھنے والا خود بخود اس پہلو کو متعین کر لیتا ہے جس پر وہ دلیل سے مطمئن ہو گیا ہے اور تحقیق و تدقیق کے بعد جو راستہ اس نے اختیار کیا اس پر چل پڑتا ہے یہ سمجھ کر کہ یہی اللہ کا متعین کردہ حق راستہ ہے اس کے بعد جو کچھ بھی ہے وہ سب ضلالت ہے۔

میں یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ میں نے کوئی نیا موضوع بحث چھیڑا ہے۔ نہیں ہرگز نہیں یہ بحث تو اس وقت سے چل رہی ہے جب سے حق و باطل اور

ہدایت و ضلالت کی کشمکش شروع ہوئی ہے اور رسالت و نبوت کا سلسلہ بھی محض اس لئے شروع کیا گیا تھا کہ حق کی راہ کو ضلالت سے الگ کیا جائے اور انسانیت کو صراطِ مستقیم پر چلایا جائے۔ لہذا جس نے مشاکوۃ نبوت اور مصابیح رسالت سے روشنی حاصل کی وہ گمراہی اور پستی سے بچ گیا اور جوان راہوں پر چلتا رہا وہ صراطِ مستقیم سے الگ ہو گیا

ہماری یہ بحث بھی مقصد و اسلوب کے اعتبار سے انبیاء و مرسلین ہی کی راہ پر چل رہی ہے اور ہم اس میں انہیں کی راہ و طریقے کی تحقیق کریں گے جس کی تحقیق کی دعوت انہوں نے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد (الانعام: ۱۵۳) کے عہد مبارک تک دی۔

لہذا یہ بحث اسلام کی خالص دعوت ہے اگر آپ اس پر چلے تو آپ کے لئے یہ پل ثابت ہوگی جس کو عبور کر کے آپ جنتِ نعیم تک پہنچ جائیں گے، لیکن اگر آپ نے انبیاء و مرسلین کی اس راہ کو چھوڑ کر دوسری راہ اختیار کی تو آپ کو بھی انہیں ہلاکت کی پستیوں میں لے جا کر ادیس گی جن میں آپ سے قبل وہ سب لوگ گر کر ہلاک ہوئے جنہوں نے راہِ حق کو چھوڑ کر ضلالت و کج روی اختیار کی۔ اس موضوع کا حق ادا کرنے کے لئے میں نے یہ کوشش کی ہے کہ کتاب و سنت کے دلائل کو خوب واضح اور روشن کر دوں تاکہ حق و باطل کے درمیان تمیز کرنے کی علامات بالکل عیاں ہو جائیں، سب سے پہلے میں نے تو شل کے لغوی معنی اور شرعی معنوں کی تحقیق کی ہے اور اس کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے ”مشروع اور ممنوع“ اور مشروع وسیلہ کی بھی تین قسمیں کیں۔

۱۔ اللہ کی ذات اور اس کے اسماء اور صفات کا وسیلہ۔

۲۔ مومن کے اعمالِ صالحہ کا وسیلہ۔

۳۔ مومن کی غائبانہ دعا کا وسیلہ۔

پھر ان تینوں قسموں کی الگ الگ تعریف و تفصیل کی اور اس کو آیات قرآنی کے دلائل سے اچھی طرح ثابت کیا اور اس کی کئی کئی مثالیں دیں تاکہ اچھی طرح وہ ذہن نشین ہو جائے۔ اسی طرح وسیلہ کے تمام اقسام کے دلائل احادیث صحیحہ سے بھی پیش کئے اور یہ ثابت کیا کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ سے قبل کے انبیاء اور ان کی امتوں کے لوگ اپنی دعاؤں سے کس طرح بارگاہِ الہی کا وسیلہ چاہتے تھے کیونکہ وہ سب ہمارے لئے قدوہ اور اسوہ ہیں۔ اسی طرح ممنوعہ وسیلہ کی بھی تین قسمیں کیں

۱۔ اللہ کی بارگاہ میں مخلوقات کی ذات اور شخصیت کا وسیلہ۔

۲۔ بارگاہِ الہی میں کسی کے جاہِ حق اور حرمت و برکت کا وسیلہ۔

۳۔ جس کا وسیلہ لیا گیا ہے اللہ پر اس کی قسم کھانا۔

اور میں نے ہر ایک کو کتاب و سنت کے دلائل اور سیرت سلف صالح اور ائمہ مجتہدین کے اقوال سے پوری طرح رد کر دیا ہے۔ ساتھ ہی میں ممنوعہ وسیلہ کے قائلین کے بھی اقوال و دلائل جو انہوں نے اپنے زعم کے مطابق قرآن و حدیث سے پیش کئے تھے سب کو نقل کر دیا اور تقریباً تیس اعتراضات اور ان کے دعاوی کو میں نے بلا کم و کاست قارئین کے سامنے رکھ دیا پھر ایک ایک کر کے سب کا جواب دیا ہے۔ ان کے متن اور سند سب پر بحث کی ہے۔ یہ دلائل انہوں نے بے محل پیش کئے تھے اور احادیث ایسی ضعیف اور ناقابل اعتبار پیش کی تھیں جن کو کسی طرح بھی دلیل و حجت قرار ہی نہیں دیا جاسکتا۔

پھر ان کے دلائل خواہ مخواہ ضد اور ہٹ دھرمی سے رد نہیں کئے اللہ گواہ ہے کہ اگر ان کی ایک دلیل بھی صحیح ہوتی تو میں ضرور کھلے دل سے تسلیم کرتا، لیکن اے کاش ایک دلیل بھی صحیح ہوتی، پھر ان بیچاروں کا قصور ہی کیا ان کے دلائل ہی سب بناوٹی بے محل اور برخود غلط تھے ان کی تغلیط و تردید میں نے نہیں ماہرین علم حدیث اور اصحاب جرح و تعدیل نے کی ہے۔

ان کو تو میرا شکر گزار ہونا چاہئے کہ ان کے شبہات اور مزعومات کی میں نے اچھی طرح قلعی کھول کر ان کے لئے حق و ہدایت کی راہ روشن کر دی اور جب کہ حق ان کے سامنے روشن ہو گیا اور باطل پاش پاش ہو کر ذلیل و رسوا ہو گیا تو ان کو چاہئے کہ مومنین صادقین کی طرح اللہ رب العالمین کی بارگاہ میں سجدہ

ریز ہو جائیں اور اپنے عقائد باطلہ سے صدق دل سے توبہ کریں اللہ تو اب و رحیم ہے ان کے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دے گا۔

یہ عجیب بات ہے کہ ایک طرف تو یہ حضرات بھی ہماری طرح مشروع وسیلہ کے قائل ہیں لیکن قول و عمل کے تضاد کا یہ حال ہے کہ وسیلہ اختیار کرتے وقت کبھی بھی مشروع وسیلہ پر عمل نہیں کرتے ہم نے زندگی میں ایک بار بھی نہیں سنا کہ انہوں نے اللہ کے اسماء حسنیٰ اور صفات عالیہ اور اپنے اعمال صالحہ کو وسیلہ بنایا ہو جب بھی وہ اپنے نازک وقتوں میں وسیلہ کے محتاج ہوئے تو انبیاء کے حق، اولیاء کے جاہ و مرتبہ اور صالحین کی برکت ہی کا وسیلہ لیتے ہیں حالانکہ وہ خوب جانتے ہیں کہ یہ ہستیاں اب دنیا میں موجود نہیں ہیں اور انہیں خود اپنا بھی احساس نہیں تو اپنے پکارنے والوں سے کیسے باخبر ہو سکتی ہیں۔

ان کا یہی تضاد عمل ہے جس نے مجھے مجبور کیا کہ میں اس کتاب کو لکھوں اور ان کو اور خود کو وسیلہ حق سے روشناس کراؤں تاکہ باطل و فاسد عقائد مٹ

جائیں اور حق ثابت اور واضح ہو جائے اور ہم سب بیک زبان پکاراٹھیں۔

قُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا

ربنا تقبل منا انک انت السميع العليم

وصل علی محمد وعلی الہ وصحبہ، التابعین و تابعیہم باحسان الی ما شاء اللہ وسلم تسلیما کثیرا و آخر

دعوانا ان الحمد لله رب العالمین۔

محمد نسیب الرفاعی

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وسیلہ کا لغوی اور شرعی معنی

وسیلہ کا لغوی معنی:

وسیلہ وہ عمل ہے جس کے ذریعہ کسی کا قرب حاصل کیا جائے۔ کہا جاتا ہے تَوَسَّلَ إِلَيْهِ بِوَسِيلَةٍ - اَى تَقَرَّبَ إِلَيْهِ بِعَمَلٍ یعنی عمل کے ذریعہ اس کا تقرب حاصل کیا۔ (صحاح اللجوہری)

بادشاہ کے نزدیک مرتبہ درجہ قربت پانا۔ (قاموس)

وسیلہ کا شرعی معنی:

شریعت میں وسیلہ کہتے ہیں اللہ کا تقرب حاصل کرنا۔ اس کی اطاعت، عبادت اور اس کے انبیاء و رسل کی اتباع کر کے اور ہر اُس عمل کے ذریعہ جس کو اللہ پسند کرے اور خوش ہو۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا ارشاد ہے۔ ”وسیلہ قربت کو کہتے ہیں۔“

قائدہ نے ”قربت“ کی تفسیر میں کہا: اللہ کا تقرب حاصل کرو اس کی اطاعت کر کے اور اس عمل کے ذریعہ جس کو اللہ پسند کرتا ہے۔“ اس لئے کہ شریعت نے جتنے بھی واجبات اور مستحبات کا حکم دیا ہے وہ سب تقرب کا ذریعہ اور شرعی وسیلہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝ (المائدة: ۳۵)

ترجمہ: ”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف پہنچنے کا وسیلہ تلاش کرو اور اس کی راہ میں جہاد کرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔“

نیز ارشاد فرمایا:

قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُمْ مِنْ دُونِهِ فَلَا يَمْلِكُونَ كَشْفِ الضَّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيلًا ۝ أُولَئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ

يَبْتَغُونَ إِلَيْهِ رِبِّهِمْ الْوَسِيلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ وَيَرْجُونَ رَحْمَتَهُ وَيَخَافُونَ عَذَابَهُ ۝ إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُورًا ۝

ترجمہ: ”کہہ دیجئے کہ تم اللہ کے سوا جن کو معبود قرار دے رہے ہو ذرا ان کو پکارو وہ نہ تم سے تکلیف دور کرنے کا اختیار رکھتے ہیں اور

نہ اس کے بدل ڈالنے کا۔ یہ لوگ جن کو مشرکین پکار رہے ہیں وہ خود ہی اپنے رب کی طرف وسیلہ ڈھونڈ رہے ہیں کہ ان میں کون

زیادہ مقرب بنتا ہے اور وہ اس کی رحمت کے امیدوار ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں اور واقعی آپ کے رب کا عذاب ہے

ہی ڈرنے کے قابل۔“ (الاسراء: ۵۶، ۵۷)

اس تشریح سے معلوم ہوا کہ لغت اور شریعت دونوں ہی اعتبار سے وسیلہ کا معنی ”تقرب“ ہے۔ یعنی اعمال صالحہ کے ذریعہ اللہ کا قرب حاصل کرنا۔

برادران اسلام! سورہ مائدہ والی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ایمان تقویٰ اور جہاد کے ذریعہ اپنی طرف وسیلہ تلاش کرنے کا حکم دیا ہے

اور ان اعمال صالحہ کے انعام میں ان کی کامیابی اور جنت کا وعدہ فرمایا ہے۔

اور سورہ اسراء والی دونوں آیتوں میں اللہ رب العزت نے مسلمانوں کو توجہ دلائی ہے کہ مشرکین جو اشخاص و مخلوقات کے ذریعہ اللہ کا قرب

ڈھونڈتے ہیں تو ان کا یہ عمل بے فائدہ ہے، کیونکہ یہ اشخاص، مشرکین کی تکالیف نہ دور کر سکتے نہ ہی ٹال سکتے۔ ان شخصیتوں کو پکارنے سے مشرکین کا نہ کوئی

کام آگے ہو سکتا ہے نہ پیچھے اور نہ ہی ان کو ان کی منزل مقصود تک پہنچا سکتے۔ کیونکہ مشرکین نے اللہ تک پہنچنے کا راستہ ہی غلط اختیار کیا ہے۔

آیات کا تاریخی پس منظر:

کچھ عرب جنوں کی عبادت کرتے تھے۔ خوش قسمتی سے یہ جن مسلمان ہو گئے، جبکہ ان کے عبادت گزار انسانوں کو اس کی خبر بھی نہ ہوئی اور وہ بدستور ان جنوں کی عبادت میں لگے رہے تو اللہ نے سورہ اسراء کی ان دونوں آیات میں اپنے نبی ﷺ حضرت محمد ﷺ کو خبر دی کہ ان مشرکین کو متنبہ کیجئے کہ جن جنوں کے ذریعہ اللہ کا تقرب حاصل کرنا چاہتے ہیں وہ تو خود اپنے اعمال صالحہ کے ذریعہ اللہ کا تقرب حاصل کرنے کیلئے ایک دوسرے پر سبقت حاصل کرنے کی جدوجہد میں مصروف ہیں اور وہ تو خود ہی اللہ کی رحمت کے امیدوار اور اس کے عذاب سے خائف ہیں۔ بھلا وہ تمہاری تکلیفوں کو کیسے دُور کر سکتے ہیں؟ جو چیزیں تم ان کے ذریعہ چاہتے ہو ان چیزوں کے تو وہ تم سے زیادہ خود اپنے لئے محتاج ہیں، جو خود نادار ہے وہ بھلا دوسروں کو کیا دے سکتا ہے؟

ایک مثال:

اس معاملے میں تمہاری مثال تو اُس مریض جیسی ہے جو علاج کی نیت سے کسی طبیب کے پاس جائے اور طبیب کو اس حالت میں دیکھے کہ وہ خود بیمار ہے اور کسی دوسرے طبیب سے علاج کر رہا ہے، تو کیا اس مریض کا فرض نہیں کہ اپنا علاج بھی اُسی طبیب سے کرا لے جس کے پاس اپنے طبیب کو علاج کراتے پایا ہے۔ کیونکہ اس کا طبیب اگر ذرا بھی مفید ہوتا تو پہلے خود کو فائدہ پہنچاتا اور دوسرے طبیب کا محتاج نہ رہتا۔

جن شخصیتوں کو تم اپنے لئے پکار رہے ہو وہ تو خود اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں، اللہ کے عذاب سے ڈرتے ہیں اور اپنے اعمال صالحہ کے ذریعہ اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے لئے ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ تو آخر تم بھی انہیں کی طرح کیوں نہیں کرتے، تاکہ جس طرح وہ اللہ تک پہنچ گئے، تم بھی پہنچ جاؤ۔

ذرا سوچو! جن لوگوں کو تم اپنا واسطہ بنا رہے ہو کیا انہوں نے اپنے تُوٹل میں کسی کو واسطہ بنایا تھا؟ انہوں نے اللہ تک پہنچنے کے لئے صرف اپنے اعمال صالحہ کو وسیلہ بنایا تھا؟

بلاشبہ! اس کا صرف ایک ہی جواب ہے، کہ انہوں نے اپنے اعمال صالحہ کو وسیلہ بنایا تھا، جن کے ذریعہ وہ اللہ کا تقرب چاہتے تھے، تو آخر تم کو کیا ہو گیا ہے کہ انہیں کی طرح تم بھی اپنے نیک اعمال کو تقرب الہی کا ذریعہ نہیں بناتے؟ جب تم کو ان بزرگوں سے نسبت ہے اور تم ان کی بزرگی پر پورا بھروسہ بھی رکھتے ہو تو آخر ان کی اقتداء کیوں نہیں کرتے؟ ایک طرف ان سے عقیدت دوسری طرف ان کی مخالفت؟ تمہاری یہ دو رنگی صاف چغلی کھا رہی ہے کہ تم کو نہ ان سے محبت ہے نہ عقیدت، اگر تمہاری محبت سچی ہوتی تو ضرور تم ان کو اپنا پیشوا بناتے اور اللہ تک پہنچنے کے لئے انہیں کی راہ کو اختیار کرتے۔

وسیلہ کی قسمیں:

مطلق وسیلہ لفظ شرعی اور غیر شرعی دونوں پر بولا جاتا ہے، ایسی صورت میں ہمارے لئے ضروری ہے کہ صحیح دلائل سے وسیلہ کے تمام اقسام کو اچھی طرح پہچان لیں تاکہ اچھے اور برے میں تمیز کر سکیں اور اپنے لئے شرعی وسیلہ کو اختیار کر سکیں۔ پھر ہم اپنے اچھے اور برے عمل کے ذمہ دار ہوں گے۔ یعنی فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ۝ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ۝

وسیلہ کی دو قسمیں ہیں: مشروع اور ممنوع

شرعی وسیلہ کی تعریف:

شرعی وسیلہ جس کا اللہ نے ہمیں اپنی کتاب میں حکم فرمایا اور رسول اللہ ﷺ نے جس کی وضاحت فرمائی ہے۔ یعنی اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے لئے شریعت کے موافق اعمال صالحہ اور طاعات کو ذریعہ بنانا جن کو اللہ پسند کرتا ہے اور راضی ہے اور اللہ صرف انہیں باتوں کا حکم فرماتا ہے جنہیں پسند کرتا اور جن سے وہ راضی ہے۔

مشروع وسیلہ کی تین قسمیں ہیں:

- ۱- مومن کا اللہ تعالیٰ سے وسیلہ چاہنا اس کی برتر ذات اس کے اسماءِ حسنیٰ اور صفات عالیہ کے ذریعہ۔
- ۲- مومن کا اللہ تعالیٰ سے وسیلہ چاہنا اپنے اعمالِ صالحہ کے ذریعہ۔
- ۳- مومن کا اللہ تعالیٰ سے وسیلہ چاہنا اپنے حق میں مومن بھائی کی دعا کے ذریعہ۔



مشروع وسیلہ کی پہلی قسم

اللہ کی بلند ذات اُس کے اسماءِ الحسنى

اور صفات عالیہ کے ذریعہ اُس کا وسیلہ چاہنا

اس مقبول ترین وسیلہ کی تعریف یہ ہے کہ اللہ رب العزت سے دُعا مانگنے سے قبل اس کی جناب میں اس کی بزرگی، حمد اُس کی ذات برتر کی تقدیس، اُس کے اسماءِ حسنیٰ اور صفاتِ علیا کو پیش کیا جائے۔ پھر جو کوئی حاجت ہو دُعا کی جائے، تاکہ یہ سب تسبیحات اُس کی بارگاہ میں وسیلہ بن جائیں اور اللہ ہماری دعائیں قبول کر لے اور ہم اپنا مطلوب حاصل کر لیں۔

مذکورہ بالا وسیلہ اپنی نوعیت اور قبولیت کے اعتبار سے سب سے اعلیٰ ترین وسیلہ ہے۔ کیونکہ یہ سراپا تقدیس و تمجید اور اللہ کی ویسی ہی تعریف ہے جیسی خود اللہ نے اپنے لئے کی ہے۔ قرآن وحدیث کے صفحات اس وسیلہ کی ترغیب و فضیلت سے بھرے ہیں۔

مزید وضاحت کے لئے ہم یہاں چند مثالیں پیش کرتے ہیں۔ تاکہ مثال کے ساتھ ساتھ یہ اس صحیح وسیلہ کی دلیل بھی بن سکیں جس کی طرف ہم تمام مسلمانوں کو دعوت دے رہے ہیں اور جسے ہم اس شرعی وسیلہ کے لئے صحیح طریقہ اور مثالی راہ سمجھتے ہیں۔ جس کا حکم اللہ نے دیا اور اس کی وضاحت رسول اللہ ﷺ نے فرمائی۔

پہلی دلیل:

وَلِلّٰهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا وَذَرُوا الدِّينَ يَلْحَدُوْنَ فِيْ أَسْمَائِهِ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

(الاعراف: ۱۸۰)

ترجمہ: ”اور اللہ ہی کے لئے اچھے اچھے نام ہیں تو تم اللہ کو انہیں ناموں سے پکارو۔ اور ان کو چھوڑ دو جو اللہ کے ناموں میں کج

روی کرتے ہیں ان کو ان کے کئے کی ضرور سزا ملے گی۔“

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اس کو اس کے اچھے ناموں سے پکاریں۔ تاکہ ان کی دُعا جلد قبول ہو اور ان لوگوں سے کچھ تعلق نہ رکھیں جو اللہ کے ناموں میں ہیرا پھیری کرتے ہیں، کیوں کہ وہ اس کی بھرپور سزا پائیں گے۔

یہاں الحاد کا مطلب یہ ہے کہ ان اسماءِ حسنیٰ کے ذریعہ اللہ کو پکارنے کے بجائے غیر اللہ کو پکارا جائے جو بدترین گناہ ہے۔ جو لوگ ایسا کریں گے وہ اس کی ضرور سزا پائیں گے۔ مسلمانوں کو حکم ہے کہ ایسے لوگوں سے کوئی تعلق نہ رکھیں۔ نیز معلوم ہوا کہ مشروع وسائل میں سب سے اعلیٰ و افضل وسیلہ یہی ہے کہ اللہ کے اسماءِ حسنیٰ اس کی مقدس ذات و صفات کو اس کی بارگاہ میں وسیلہ بنایا جائے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات مخلوقات کی ذاتوں سے بزرگ اس کے نام مخلوقات کے ناموں سے بلند اور اس کی صفات مخلوقات کی صفات سے مقدس اور اعلیٰ ہیں۔

لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ۝

یہ سب سے موثر وسیلہ ہے۔ اللہ اس وسیلے کے ذریعہ دعا مانگنے والے کی دعا سب سے پہلے قبول کرتا ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک:

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی ہے کہ کسی بھی شخص کے لئے جائز نہیں کہ اسماء حسنیٰ کے بغیر اللہ سے دُعا کرے، کیونکہ جس دُعا کی اجازت اور حکم ہے وہ وہی ہے جس کی ہدایت وَلِلَّهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ فَادْعُوهُ بِهَا میں دی گئی ہے۔ اور انبیاء و رسل اور اولیاء اور بیت اللہ کے حق کا واسطہ دے کر دُعا مانگنے کو مکروہ کہا ہے۔ اس لئے کہ مخلوقات کا خالق پر کوئی حق نہیں۔ اور علائی نے تاتاریخانیہ سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ ہے کہ کسی کے لئے جائز نہیں کہ اللہ کے ناموں کے سوا غیر اللہ سے دُعا مانگے۔ اور تمام حنفی کتابوں میں موجود ہے کہ انبیاء اولیاء اور بیت الحرام کے حق کا واسطہ دے کر دُعا مانگنا مکروہ تحریمی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک اس کی حرمت ایسی ہے جس کی سزا جہنم ہے۔ ان حوالوں کا جو انکار کرے وہ مذہب حنفی سے ناواقف ہے۔



اسماء و صفات و ذات الہی کا وسیلہ

احادیث کی روشنی میں

جس طرح اللہ کی ذات اس کے اسماء و صفات کا وسیلہ لینے کی مثالیں قرآن کریم سے پیش کی گئیں، اسی طرح اس بارے میں چند احادیث بھی پیش کی جا رہی ہیں جن سے آپ پر واضح ہو جائے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دُعاؤں سے قبل اللہ تعالیٰ کی ذات، اس کے اسماء حسنیٰ اور صفات عالیہ کا وسیلہ اللہ کی جناب میں پیش کرتے تھے۔ اور چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پیشوا ہیں، اس لئے آپ کی اقتداء و اتباع ہم پر فرض ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ۝ (الاحزاب: ۲۱)

ترجمہ: ”تمہارے لئے اللہ کے رسول کی ذات بہترین نمونہ ہے۔“

پہلی حدیث:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمِعَ رَجُلًا يَقُولُ: اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ بِأَنْبِيَاءِ أَشْهَدُ أَنَّكَ أَنْتَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ الْوَاحِدُ الصَّمَدُ الَّذِي لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ - فَقَالَ قَدْ سَأَلَ بِأَسْمِهِ الْأَعْظَمِ ۝ (اخرجه احمد ابو داؤد و الترمذی)

ترجمہ: ”اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اس وسیلہ سے کہ بے شک میں گواہی دیتا ہوں کہ یقیناً تو ہی وہ اللہ ہے کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو اکیلا بے نیاز ہے جس کے نہ اولاد ہے نہ وہ کسی کی اولاد ہے نہ اس کے برابر کوئی ہے۔ تو آپ نے فرمایا: اس نے اس اسم اعظم کے ذریعہ سوال کیا ہے جس سے جب بھی سوال کیا گیا۔“

دوسری حدیث:

عَنْ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّهُ كَانَ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسًا وَرَجُلٌ يُصَلِّي ثُمَّ دَعَا، اللَّهُمَّ

إِنِّي أَسْأَلُكَ بِأَنَّ لَكَ الْحَمْدُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ وَحُدُوكَ لَا شَرِيكَ لَكَ الْمَنَاءُ يَا بَدِيعُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ، يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ“ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ دَعَا اللَّهُ بِأَسْمِهِ الْأَعْظَمِ الَّذِي إِذَا دُعِيَ بِهِ أَحْبَابٌ وَإِذَا سُئِلَ بِهِ أُعْطِيَ ۝ (اخرجه الامام احمد و ابوداؤد وابن ماجه و الترمذی)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے اور ایک شخص نماز پڑھ رہا تھا پھر اس نے دعا مانگی ”اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اس وسیلہ سے کہ بیشک تیرے ہی لئے سب تعریف ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو ہی احسان کرنے والا ہے، تو ہی آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنے والا ہے، اے جلال و بزرگی کے مالک، اے زندہ رہنے والے، اے بندوبست کرنے والے۔“ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس نے اللہ کے اسم اعظم کے ساتھ دعا مانگی جو شخص بھی اس وسیلہ سے دعا مانگے گا، اللہ قبول کرے گا اور جب بھی اس کے ذریعہ سوال کیا جائے گا دے گا۔

برادران اسلام! آپ کے سامنے میں نے یہ دو حدیثیں پیش کیں تاکہ ان سے آپ پر واضح ہو جائے کہ اللہ کے اسماء حسنیٰ دعا کی قبولیت کے لئے سب سے بہترین وسیلہ ہیں اور ان میں بھی خصوصیت سے اللہ کا اسم اعظم۔ اور رسول اللہ ﷺ نے اس صحابی کے سامنے شہادت دی کہ اللہ کے اسم اعظم کے وسیلہ سے جب بھی دعا مانگی جائے اللہ قبول کرے گا اور جب بھی اس کے وسیلے سے سوال کیا جائے گا اللہ دے گا۔

دونوں ہی حدیثوں میں دُعا کرنے والے نے اسماء حسنیٰ اور اسم اعظم کے وسیلہ سے دعا مانگی جس کی قبولیت کی شہادت رسول اللہ ﷺ دی۔ لہذا ہر مومن کا فرض ہے کہ اپنی دعا کے اول میں اللہ کے اسماء حسنیٰ کا ذکر کرے اور انہیں بطور وسیلہ بارگاہ الہی میں پیش کرے، اس کے بعد دعا مانگے تاکہ اللہ رب العزت اُس کی دُعا جلد قبول فرمائے۔

دعا کا یہی مسنون طریقہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اور اپنی اُمت کے لئے یہی طریقہ پسند فرمایا تھا۔ اسی پر امت کا عمل ہونا چاہئے تاکہ سب کا گوہر مقصود ہاتھ آئے، دعائیں جلد قبول ہوں اور لوگ اپنی مُراد پائیں۔

تیسری حدیث:

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ ”رسول اللہ ﷺ رات کی نماز کس چیز سے شروع کرتے تھے؟“ انہوں نے جواب دیا کہ ”رسول اللہ ﷺ جب رات کو اٹھتے تو اپنی نماز اس دعا سے شروع فرماتے تھے:

اللَّهُمَّ رَبَّ جِبْرَائِيلَ وَ مِيكَائِيلَ وَ إِسْرَافِيلَ، فَاطِرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ أَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ: إِهْدِنِي لِمَا اخْتَلَفَ فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِكَ إِنَّكَ تَهْدِي مَنْ تَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝ (بخاری و مسلم)

ترجمہ: ”اے اللہ! جبرائیل اور میکائیل اور اسرافیل کے رب، آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے والے، غیب اور حاضر کو جاننے والے، تو ہی اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ کرے گا جن باتوں میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔ تو مجھے ہدایت دے اس حق میں جس میں اختلاف کیا گیا۔ تو ہی جس کو چاہے سیدھی راہ کی طرف چلاتا ہے۔“

رسول اللہ ﷺ حق و ہدایت کی راہ پر چلنے کی توفیق پانے کی اللہ سے دُعا مانگ رہے ہیں۔ کیونکہ حق کی راہ میں لوگوں نے بڑا اختلاف کیا ہے اور صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق اللہ کے سوا کوئی نہیں دے سکتا۔ اس اہم ترین متاع کائنات کو اللہ سے مانگنے سے قبل آپ اللہ کی بارگاہ میں حمد و تقدیس، تمجید و تعظیم کا وسیلہ پیش کر رہے ہیں تاکہ اللہ رب العزت آپ کی دعا کو جلد قبول فرمائیں۔ اس دُعا کے پردے میں اُمت کی تعلیم مقصود ہے اور انہیں مشروع وسیلہ کی ترغیب بھی دینی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں حکم فرماتے تھے کہ جب ہم سونے لگیں تو یہ دُعا پڑھ لیا کریں:

اللَّهُمَّ رَبُّ السَّمَوَاتِ وَرَبُّ الْأَرْضِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ رَبَّنَا وَرَبُّ كُلِّ شَيْءٍ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوَى مُنْزِلُ التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ وَالْفُرْقَانِ أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ شَيْءٍ أَنْتَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهِ، اللَّهُمَّ أَنْتَ الْأَوَّلُ فَلَيْسَ قَبْلَكَ شَيْءٌ وَأَنْتَ الْآخِرُ فَلَيْسَ بَعْدَكَ شَيْءٌ وَأَنْتَ الظَّاهِرُ فَلَيْسَ فَوْقَكَ شَيْءٌ وَأَنْتَ الْبَاطِنُ فَلَيْسَ دُونَكَ شَيْءٌ اِقْضِ عَنَّا الدَّيْنَ وَأَغْنِنَا مِنَ الْفَقْرِ

(اخرجه، احمد و مسلم و الترمذی)

ترجمہ: ”اے اللہ! آسمانوں اور زمینوں کے رب، اور عرشِ عظیم کے رب، ہمارے اور ہر چیز کے رب، دانے اور گٹھلیوں کو پھاڑنے والے تورات اور انجیل اور فرقان کے نازل کرنے والے، تیری پناہ چاہتا ہوں ہر چیز کے شر سے جس کی پیشانی تو پکڑے ہوئے ہے۔ اے اللہ تو ہی اول ہے تجھ سے قبل کچھ نہیں، تو ہی آخر ہے تیرے بعد کچھ نہیں۔ تو ہی ظاہر ہے تیرے اوپر کچھ نہیں۔ تو ہی باطن ہے تیرے سوا کچھ نہیں۔ ہم سے قرض ادا فرما اور ہم کو فقر سے نجات دے۔“

رسول اللہ ﷺ قرض اور محتاجی سے نجات پانے کی دعا فرما رہے ہیں اور اس سے اللہ کی قدرت کا حوالہ دے رہے ہیں کہ وہ ارض و سماء اور کائنات کی ہر شے کا رب ہے وہی دانوں اور گٹھلیوں کو نکالنے والا، انہیں مختلف شکلیں، رنگ اور مزاج بخشنے والا ہے۔ اپنے بندوں کی ہدایت کے لئے اُس نے مختلف زبانوں میں تورات، انجیل اور قرآن کو نازل فرمایا۔

پھر آپ دنیا کی ہر شے کے شر سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں، کیونکہ کائنات کی ہر شے اللہ ہی کے قہر و سلطان کے تابع ہے، وہ نرالی شان والا سب سے اول ہے اُس سے قبل کوئی چیز نہیں، وہی آخر ہے اُس کے بعد کوئی چیز نہیں، وہی ظاہر ہے اس کے اوپر کوئی نہیں، وہی باطن ہے اُس کے سوا کچھ نہیں۔ اس کی ذات، اسماء و صفات میں نہ اس کا کوئی شریک، نہ مثیل، نہ مشابہ، نہ ہمسر۔

ان بلند ترین مقدس تسبیحات کو وسیلہ بنا کر آپ قرض کی ادائیگی اور فقر سے نجات کی دُعا مانگ رہے ہیں۔ یہی آپ کا طریقہ تھا کہ اپنی دعاؤں سے قبل بارگاہِ الہی میں اُس کی ذات و صفات و اسماء حسنیٰ کا وسیلہ پیش کرتے تھے۔ یہی ہمارا بھی عمل ہونا چاہئے۔ یہی رسول ﷺ کی اطاعت و محبت کا تقاضا بھی ہے۔



قرآن کا وسیلہ

عمران بن حصین کا بیان ہے کہ وہ ایک قصہ گو کے پاس سے گزرے جو قرآن پڑھ کر بھیک مانگ رہا تھا تو انہوں نے اِنَّا لِلّٰہِ پڑھا اور کہا: ”میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے۔“

مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ فَلَيْسَ سَأَلَ اللَّهَ بِهِ فَإِنَّهُ سَيَجِيءُ أَقْوَامٌ يَقْرُؤُونَ وَيَسْأَلُونَ بِهِ النَّاسَ ۝

ترجمہ: ”جو شخص قرآن پڑھے اس کو چاہئے کہ قرآن کے ذریعہ اللہ سے مانگے، جلد ہی ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو قرآن پڑھ کر لوگوں سے بھیک مانگیں گے۔“

اس حدیث میں قرآن مجید کو اپنی دعا کا وسیلہ بنانے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس لئے کہ قرآن اللہ کا کلام اور اس کی صفت ہے جو ذات الہی کی طرح مقدس اور پاک ہے۔ اس کی تلاوت اس کے معنی پر غور و تدبر اور اپنی ذات اہل و عیال اور اقربا و احباب کی زندگیوں کو اس کے مطابق ڈھالنا، مقبول عبادت اور اعلیٰ ترین وسیلہ ہے۔ کیوں نہ ہو قرآن اللہ کی کتاب ہے۔ اس میں تم سے پہلوں کی تاریخ ہے اور بعد والوں کی پیشن گوئی ہے۔ وہ تمہارے آپس کا فیصلہ ہے، وہ قطعی فیصلہ ہے مذاق نہیں ہے۔ جس نے کسی ظالم کی وجہ سے اس کو چھوڑا، اللہ اس کو تباہ کرے گا۔ جس نے قرآن کے علاوہ اور جگہ سے ہدایت چاہی، اللہ اس کو گمراہ کر دے گا۔ وہ اللہ کی مضبوط رسی ہے وہ حکمت بھرا ذکر ہے، وہ صراط مستقیم ہے۔ قرآن وہ کتاب ہے جس سے خواہشات کج نہیں ہوتیں اور نہ اس سے زبائین مشتبه ہوتیں اور نہ اس کے عجائبات ختم ہوں گے اور نہ علماء کبھی اس سے آسودہ ہوں گے۔ جس نے قرآن کے ذریعہ بات کی، سچ کہا، جس نے اس پر عمل کیا، ثواب پائے گا۔ جس نے اس کے ذریعہ فیصلہ کیا، انصاف کیا، اور جس نے قرآن کی طرف بلایا، اسے صراط مستقیم کی طرف راہ نمائی کی گئی۔

جب ان اوصاف کریمہ کو سامنے رکھ کر قرآن کریم کی تلاوت کی جائے گی تو قاری کو خود محسوس ہو جائے گا کہ قرآن مجید اللہ کی بارگاہ میں کتنا محبوب وسیلہ ہے اور اس وسیلہ سے مانگی جانے والی دعا ضرور قبول ہوگی، کیونکہ اللہ کے کلام کا وسیلہ دراصل اس کی صفت کا وسیلہ ہے جو اللہ کے نزدیک محبوب و پسندیدہ عمل بھی ہے اور سب سے اچھا وسیلہ بھی۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ”ہر قرآن پڑھنے والے کے لئے ایک مقبول دعا ہے۔“ یعنی جو شخص قرآن پڑھ کر اس کے وسیلے سے دعا مانگے گا، اس کی دعا قبول ہوگی۔

افسوس! آج قرآن کی صرف لفظی تلاوت باقی رہ گئی، قاری طوطوں کی طرح رٹ کر اس کو بلا سمجھے پڑھتے ہیں۔ اس کو زندگی کا دستور، درس عمل، عبرت و نصیحت، امر و نہی، حلال و حرام کا قانون اور ہدایت و برہان اور حجت و نور بنانے کے بجائے تعویذ و گنڈا، چھو منتر، مُردوں پر قرآن خوانی، اس آیات سے ترنم و موسیقی کا سرور اور اپر شعراء کی طرح داد اور واہ واہ کی بارش، دیواروں اور الماریوں کی تزئین وغیرہ، بس یہ ہے قرآن اور اس کا استعمال۔ اللہ ہم پر رحم فرمائے اور قرآن پر صحیح ایمان اور عمل کی توفیق بخشے اور دورگی و نفاق سے بچائے۔ (آمین)



آدم علیہ السلام کا اعتراف قصور، ندامت و دعا

قَالَ رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا وَإِن لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۝ (الاعراف: ۲۳)

ترجمہ: ”ان دونوں نے کہا، اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو نے ہم کو معاف نہ کیا اور ہم پر رحم نہ کیا تو ہم بہت نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوں گے۔“

اس آیت کریمہ کے ان کلمات طیبہ کو اللہ تعالیٰ ہی نے حضرت آدم علیہ السلام کو سکھایا تھا کہ وہ انہیں وسیلہ بنا کر اللہ سے توبہ کریں اور معافی کی درخواست گزار دیں جیسا کہ ارشاد ہے۔

فَتَلَقَىٰ آدَمُ مِنْ رَبِّهِ كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۝ (البقرہ: ۳۷)

پھر آدم نے اپنے رب سے چند کلمات سیکھے (اور معافی مانگی) تو اس نے ان کا قصور معاف کر دیا۔ بے شک وہ معاف کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔

اور مشہور مفسرین کا اتفاق ہے کہ وہ سیکھے ہوئے کلمات آدم علیہ السلام کی یہی مشہور دعاء استغفار ہے جس کے وسیلہ سے ان کی دعا اللہ نے قبول

فرمائی۔

اس آیت میں ظاہری وسیلہ ”گناہوں کا اقرار ہے اور ”خطا کا اعتراف“ اور اس پر ”توبہ کی ندامت“ بڑا عظیم اور صالح عمل ہے جو مغفرت کے لئے بڑا محبوب وسیلہ ہے۔ چونکہ اس عمل صالح کی تعلیم خود اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو دی تھی، اس لئے یہ اللہ کا تلقین کردہ وسیلہ ہے۔ اور قرآن میں اللہ نے اسے محض اسی لئے ذکر فرمایا ہے کہ یہ وسیلہ صرف آدم علیہ السلام کے لئے مخصوص نہیں، بلکہ عام مسلمانوں کو اس وسیلہ کی تلقین فرمائی گئی ہے اور آدم علیہ السلام نے بھی جب تک اس وسیلہ کو استعمال نہیں کیا، اللہ نے ان کی توبہ قبول نہیں فرمائی۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ آدم علیہ السلام نے اللہ سے عرض کیا: ”کیا تو نے مجھے اپنے ہاتھ سے پیدا نہیں کیا؟“ فرمایا گیا بے شک۔ ”آدم علیہ السلام نے کہا: اور تو نے میرے اندر اپنی روح نہیں پھونکی؟“ فرمایا گیا: ”بے شک“ آدم علیہ السلام نے کہا: ”اور کیا تو نے مجھ پر فرض نہیں کیا کہ میں اس وسیلہ پر عمل کروں؟“ فرمایا گیا: ”بے شک“ آدم نے کہا: ”اگر میں توبہ کر لوں تو کیا مجھے جنت میں دوبارہ نہیں بھیجے گا؟“ فرمایا گیا: ”ضرور“ (متدرک حاکم)

بس یہ ہے وہ عمل صالح کا وسیلہ جسے آدم وحواء نے اپنے قصور کے اعتراف و استغفار کے ذریعہ بارگاہِ الہی میں پیش کیا اور اللہ نے اسے قبول فرمایا اور تصدیق و ترغیب کے لئے اپنی کتاب قرآن کریم میں اس کا ذکر فرمایا۔



اعمال صالحہ کا وسیلہ

صحابہ کرامؓ کے عمل کی روشنی میں

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ کا عملی نمونہ تھے میراث نبوی کے سچے محافظ اور مبلغ تھے۔ جو کچھ آپ سے سنا اور سیکھا، اسے بلا کم و کاست امت تک پہنچا دیا۔ وہ اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں رسول اللہ ﷺ کی زندگی کی حقیقی اور زندہ مثال تھے۔ اعمال صالحہ کے وسیلہ کے سلسلے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طرز عمل بھی حجت ہے ان کی چند مثالیں پیش کی جا رہی ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تہجد کی نماز کے بعد اس طرح دعا مانگا کرتے تھے:

اللَّهُمَّ أَمَرْتَنِي فَاطَعْتُكَ وَدَعَوْتَنِي فَاجْتَبْتُكَ، وَهَذَا سِحْرٌ فَاعْفِرْ لِي ۝

ترجمہ: ”اے اللہ! تو نے مجھے حکم دیا میں نے تیری اطاعت کی، اور تو نے مجھے بلایا میں نے قبول کیا۔ یہ سحر کا وقت ہے تو مجھے بخش دے۔“

سحر کے وقت جب لوگ سوئے ہوئے ہوں، اٹھ کر نماز پڑھنی بڑا صالح عمل ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی اطاعت اُس کے احکامات کی تعمیل اور سحر کے وقت کی نماز و بیداری کا وسیلہ بارگاہ الہی میں پیش کر کے اپنی مغفرت کی دعا مانگتے ہیں جو مغفرت اور دعا کی قبولیت کا بہترین وقت ہے۔

حضرت عراق بن مالک رضی اللہ عنہ جمعہ کی نماز پڑھ کر واپس ہوتے تو مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو کر کہتے:

اللَّهُمَّ إِنِّي أَجَبْتُ دَعْوَتَكَ، وَصَلَّيْتُ فَرِيضَتَكَ، وَأَنْتَشَرْتُ، كَمَا أَمَرْتَنِي، فَارْزُقْنِي مِنْ فَضْلِكَ، وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ۝
ترجمہ: ”اے اللہ! میں نے تیری دعوت قبول کی اور فریضہ جمعہ ادا کیا اور تیرے حکم کے مطابق منتشر ہو گیا اب تو مجھے اپنا فضل عطا کر اور تو ہی بہترین روزی دینے والا ہے۔“

حضرت عراق بن مالک رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کے فضل و رزق کی دعا مانگی، لیکن اس سے قبل اذان جمعہ کے وجوب، فریضہ جمعہ کی ادائیگی اور جمعہ کے بعد مسجد سے منتشر ہو جانے کے خداوندی حکم کی تعمیل کا وسیلہ پیش کیا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ (الجمعه)

ترجمہ: ”اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز کے لئے اذان کہی جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو اور خرید و فروخت چھوڑ دو۔ یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانو۔“

فَإِذَا قُضِيَتْ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝ (الجمعه)

ترجمہ: ”اور جب نماز ادا کر لی جائے تو زمین میں پھیل جاؤ۔ اور اللہ کا فضل تلاش کرو اور اللہ کو بہت یاد کرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔“

اور اپنے اس عمل صالح کا وسیلہ پیش کرنے کے بعد دعا مانگی، فَارْزُقْنِي مِنْ فَضْلِكَ، وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ اے اللہ! اپنا فضل عطا کر تو ہی سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔

یہاں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرات عراق بن مالک رضی اللہ عنہ دو صحابہ کرام کے عملی نمونے پیش کئے گئے ہیں۔ یہی طریقہ تمام صحابہ کرام کا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی سنت کے اتباع اور اس کی عملی تطبیق میں تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی کے طریق عمل سے معلوم ہوا۔ مشروع وسیلہ بھی ہم نے انہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

افسوس:

بدقسمتی سے دھیرے دھیرے مسلمانوں میں بھی غیر مشروع وسیلہ کی بدعت پھیل گئی اور اب اکثر عوام بلکہ خواص میں بھی (إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ) وسیلہ کے وقت اللہ کی ذات، اس کے اسماء حسنیٰ و صفات علیا یا اپنے اعمال صالحہ کے وسیلہ کا تصور بھی دل میں نہیں آتا اور مخلوقات و شخصیات کا ممنوع وسیلہ اختیار کرتے ہیں اور اسی کو نیکی اور عمل خیر سمجھتے ہیں۔ اس طرح سنت بدعت بن گئی اور بدعت سنت ہو گئی۔ فلاحول ولاقوة الا باللہ

اور اس سے زیادہ افسوس اس پر ہے کہ ان نادان لوگوں کو قرآن و سنت کے دلائل کی روشنی میں سمجھانے کی کوشش کی جاتی ہے تو سمجھنے اور غور کرنے کے بجائے بھڑک اٹھتے ہیں اور غیض و غضب سے ان کی آنکھوں سے سرخ شرارے پھوٹنے لگتے ہیں۔ اللہ ان پر رحم کرے اور انہیں صراط مستقیم پر چلنے کی

توفیق دے۔ آمین۔

برادران اسلام!

ضرورت ہے کہ مسلمانوں کو عمل خیر کی دعوت دی جائے اور انہیں سمجھایا جائے کہ ایمان کی تمام شاخیں لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کے اقرار سے لے کر راستہ سے تکلیف دہ چیزوں کے ہٹانے تک سب چیزیں عمل صالح ہیں اور مسلم معاشرے میں ان سب حسنات و اعمال خیر کی اشاعت کے لئے بھرپور جدوجہد کی ضرورت ہے، تاکہ عقیدہ صحیحہ اور عمل صالح اور اسلامی زندگی کا نور مسلمانوں کے گھروں، سڑکوں، بازاروں، مساجد، دکانوں اور کارخانوں ہر جگہ پھیل جائے اور مسلمانوں کی زندگی کے تمام شعبے اسلام کے رنگ میں رنگ جائیں۔

یہی اسلامی زندگی کا عمل صالح کا بہترین وسیلہ اور مسلمانوں کی فلاح و کامرانی کی ضمانت ہے اور امت مسلمہ کا یہی شعار ہے کہ وہ اسلامی تعلیمات کو زندگی کی تمام شاہراہوں کے لئے مشعل ہدایت اور وسیلہ نجات بنائے۔



مشروع وسیلہ کی تیسری قسم

اپنے مومن بھائی کا دعا کا وسیلہ

گذشتہ صفحات میں مشروع وسیلہ کی تین قسموں میں سے دو یعنی اللہ کی ذات اور اس کے اسماء و صفات کا وسیلہ دوم اعمال صالحہ کا وسیلہ۔ یہ دونوں مباحث کتاب و سنت کے دلائل کی روشنی میں پورے ہوئے۔ اُمید ہے قارئین کتاب وسیلہ کی ان دونوں قسموں کے مباحث سے پوری طرح مطمئن ہوئے ہوں گے۔ اس لئے کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے بعد نہ کوئی دوسری دلیل ہے نہ حجت و برہان۔ وما ذا بعد الحق الا الضلال (حق کے بعد گمراہی کے سوا کچھ نہیں)

اب ہم مشروع وسیلہ کی تیسری قسم کی بحث کر رہے ہیں اور وہ ہے ”مومن کا وسیلہ حاصل کرنا اپنے مومن بھائی کے لئے۔“ اور یہ دو طریقے سے ممکن

ہے۔

اول:

ایک مومن بھائی کا دوسرے مومن بھائی سے درخواست کرنا کہ وہ اپنی دعا کے وسیلہ سے اللہ سے اس کی حاجات پوری کرنے کی استدعا کرے۔ مثلاً یوں کہے کہ ”آپ میرے لئے اللہ سے دعا فرمائیں کہ وہ مجھے عافیت دے یا میری فلاں ضرورت پوری فرمائے۔“

دوم:

ایک مومن دوسرے مومن کے لئے اس کے کہے بغیر اللہ سے دعا کرے۔ مثلاً کسی بھائی کو کسی مصیبت میں مبتلا پائے اور اس کو دیکھ کر اللہ سے کشادگی کی دعا کرے۔ خواہ وہ بھائی کرنے والے کے پاس ہو یا نہ ہو۔ مثلاً اس کی بیٹھ پیچھے اس کے لئے دعا کرنا یا نماز جنازہ یا قبر کی زیارت کے وقت مسلمانوں کے لئے دعا کرنا۔ اس سے بھی کچھ فرق نہیں پڑتا کہ بڑا چھوٹے کے لئے دعا مانگے یا چھوٹا بڑے کے لئے دعا مانگے، سب جائز ہے اور اللہ چاہے تو سب مقبول ہے اور جب رسول اللہ ﷺ زندہ تھے تو اس وقت مسلمان استسقاء میں رسول اللہ ﷺ کی دعا کا وسیلہ اللہ کے سامنے پیش کیا کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کے لئے دعا کرتے تھے اور اللہ آپ کی دعائیں قبول کرتا تھا۔

اسی طرح رسول ﷺ بھی امت سے اپنے لئے اجتماعی یا انفرادی طور پر دعا مانگنے کی درخواست کرتے تھے۔ مثلاً آپ کا فرمان ہے کہ جو شخص بھی

اذان سنے وہ موذن کی اذان کا جواب دے۔ پھر آپ پر درود بھیجے اور آپ کے لئے وسیلہ فضیلت اور اس مقام محمود کے لئے دعا کرے جس کا اللہ نے رسول اللہ ﷺ سے وعدہ فرمایا ہے۔

اسی طرح آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ان کے لئے عمرہ کے دن اپنے لئے دعا کی درخواست کی۔ اور قرآن و حدیث کے صفحات مومن کی دعا کے وسیلے کی مثالوں سے بھرے ہوئے ہیں۔



اذان کے بعد کی دعا

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ انہوں نے یہ فرماتے ہوئے سنا ہے۔ جب تم موذن کو (اذان دیتے ہوئے) سنو تو تم بھی ویسے ہی کہو جیسے موذن کہتا ہے۔ اس کے بعد مجھ پر درود بھیجو، اس لئے کہ جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجے گا اللہ اس پر دس مرتبہ درود بھیجے گا، پھر میرے لئے اللہ سے وسیلہ مانگو، اس لئے کہ وسیلہ جنت میں ایک درجہ کا نام ہے جو صرف ایک ہی بندہ اللہ کے لئے مناسب ہے، اور مجھے امید ہے وہ ایک بندہ میں ہوں گا۔ پس جو شخص میرے لئے (اللہ سے) وسیلہ مانگے گا اس کے لئے میری شفاعت حلال ہوگی۔“ (مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ موذن کی اذان کے جواب کے بعد رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجنے اور آپ کیلئے وسیلہ مانگنے کا ثواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک مرتبہ درود بھیجنے والے پر اللہ تعالیٰ دس بار درود بھیجے گا، اور رسول اللہ ﷺ کے لئے وسیلہ مانگنے والے کے لئے آپ کی شفاعت واجب ہو جائے گی۔

اس حدیث پر غور فرمائیے رسول اللہ ﷺ اپنی امت کو حکم فرما رہے ہیں کہ لوگ آپ کے لئے اللہ سے وسیلہ مانگیں۔ آپ فرماتے ہیں۔

ثُمَّ سَلُّوا اللَّهَ لِيَ الْوَسِيلَةَ ۝

ترجمہ: ”میرے لئے اللہ سے وسیلہ مانگو اور وسیلہ جنت کے ایک بلند درجہ کا نام ہے۔“

اس حدیث سے یہ ات کتنی صاف طور پر واضح ہو گئی کہ مومن کی دعا دوسرے مومن کے لئے بارگاہ الہی میں بہترین وسیلہ ہے۔ اسی لئے رسول اللہ ﷺ اپنی امت کو حکم فرما رہے ہیں کہ آپ کے لئے اللہ سے جنت کا سب سے بلند مقام (مقام محمود) مانگیں۔ اور اس کے لئے اذان اور اس کے جواب کے بعد اور درود شریف پڑھ کر یہ اہم دعا مانگنے کی ہدایت کی گئی، کیونکہ یہ دعا کی قبولیت کا خاص وقت اور درود موثر ذریعہ ہے۔ اس حدیث سے ایک بات اور بھی معلوم ہوئی کہ اعلیٰ شخصیات کے لئے ادنیٰ شخص کی دعا بھی وسیلہ بن سکتی ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ اللہ کی سب سے اشرف مخلوق اور اللہ کے نزدیک اس کی مخلوقات میں سب سے معزز ہستی ہیں، اور اسی لئے جنت کے سب سے بلند مقام، مقام محمود کا امیدوار و حقدار بھی آپ صرف اپنے کو قرار دے رہے ہیں۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اذان سننے کے بعد کہے گا:

اَللّٰهُمَّ رَبِّ هَذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلَاةِ الْقَائِمَةِ اِنَّ مُحَمَّدًا نِ الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا نِ الَّذِي وَعَدْتَهُ حَلَّتْ لَهٗ شَفَاعَتِي ۝ (رواه البخاری، ابوداؤد، الترمذی، النسائی، ابن ماجہ)

ترجمہ: ”اے اللہ اس پوری دعا کے رب اور کھڑی ہونے والی نماز کے رب، عطا فرما محمد ﷺ کو ”وسیلہ“ اور فضیلت اور بھیج ان کو

مقام محمود میں جس کا تو نے ان سے وعدہ فرمایا ہے۔ ”تو اس دعا مانگنے والے کے لئے میری شفاعت حلال ہوگی۔“

یہ دعا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے لئے ایک ترغیب ہے۔ جس کو یہ بات محبوب ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے دن اس کی شفاعت فرمائیں تو اس کو چاہئے کہ ہمیشہ ہر اذان کے بعد یہ دعا پڑھ لیا کرے۔

اذان کے بعد اس دعا کو پڑھنے کی تاکید اس لئے کی گئی کہ یہ دعا کی قبولیت کا وقت ہے جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ

ﷺ کا ارشاد ہے:

أَلِدْعَا بَيْنَ الْأَذَانِ وَالْإِقَامَةِ لَا يُرَدُّ ○ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی)

ترجمہ: ”اذان اور اقامت کے درمیان کی دعا رد نہیں کی جاتی۔“

رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کے لئے فلاح دارین کا کتنا بہتر نسخہ تجویز فرمایا کہ ایک طرف وہ اپنے ہادی اور پیغمبر کے دعا کریں اور امت کی دعا آپ کے درجات کی بلندی اور مقام محمود کے حصول کے لئے بارگاہ الہی میں مقبول ”وسیلہ“ بن جائے اور اس دعا کی برکت سے آپ کی شفاعت آپ کی امت کے لئے حلال ہو جائے۔ انشاء اللہ کا وعدہ پورا ہوگا اور امت کی دعائیں آپ کے حق میں وسیلہ ثابت ہوں گی اور قیامت کے دن آپ مقام محمود میں داخل ہوں گے۔

مومن کے لئے دوسرے مومن بھائی کی دعا کے مشروع ہونے کی اس سے بہتر دلیل آپ کو اور کہاں مل سکتی ہے؟



حاجی کی دعا کا وسیلہ

ابوالزبیر صفوان بن عبد اللہ بن صفوان سے روایت کرتے ہیں کہ میں شام آیا اور ابودرداء کے گھر گیا تو ان کو موجود نہیں پایا، البتہ اُم درداء ملیں اور مجھ سے پوچھا کہ ”اس سال تم حج کا ارادہ رکھتے ہو؟“ میں نے کہا ”ہاں“ اُم درداء نے کہا ”پھر ہمارے لئے دعائے خیر کرنا“ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے مسلمان کی دعا اپنے بھائی کے لئے اس کی غائبانہ قبول ہوتی ہے دعا کرنے والے کے پاس ایک فرشتہ مقرر ہوتا ہے جو دعا کرنے والے کے لئے کہتا ہے تیرے لئے بھی ایسا ہو اور اس کی دعا پر آمین کہتا ہے۔ ”صفوان کہتے ہیں کہ میں بازار کی طرف نکلا تو ابودرداء بھی مل گئے اور انہوں نے بھی اُم درداء ہی کی طرح رسول اللہ ﷺ کی طرف سے روایت کرتے ہوئے کہا (مسلم)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہم اپنے بھائی کی دعا کا وسیلہ بارگاہ الہی میں لے لیں اور جو لوگ اپنے بھائی کے لئے غائبانہ طور پر دعا مانگتے ہیں ان کے اس عمل صالح کا یہ ثواب ہے خود ان کی دعا پر فرشتے آمین کہہ کر ان کے لئے بھی اسی قسم کی دعا کرتے ہیں۔

اس طرح اُم درداء نے حضرت صفوان کی دعا کو وسیلہ بنایا اور صفوان نے اپنے لئے فرشتوں کی دعا کو وسیلہ بنایا۔ معلوم ہوا کہ مومن کی دعا اپنے بھائی کے لئے مشروع وسیلہ ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں اس کا رواج عام تھا۔

حضرت اُم سلیم نے رسول اللہ ﷺ کی دعا کو حضرت انس رضی اللہ عنہ کے لئے وسیلہ بنایا۔ مرگی کی مریض عورت نے رسول اللہ ﷺ کی دعا کو وسیلہ بنایا۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اسی قسم کی دعا کو وسیلہ بنانے کا حکم دیا تھا۔

اس طرح اس مضمون کی متعدد احادیث کا خلاصہ آپ کے سامنے پیش کر دیا گیا جس سے اس مشروع وسیلہ کی وضاحت کما حقہ ہوگئی۔ مشروع وسیلے

کی تینوں اقسام کا تفصیل سے ذکر کر دیا گیا اور استطاعت بھر اس کی مشروعیت کا ثبوت پیش کر دیا گیا ہے اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ آمین

اِسْرَائِیْلَہ

مختار احمد ندوی حفظہ اللہ

وسیلہ کے موضوع پر شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مشہور رسالہ ”قاعدة جلیلة فی التوسل والوسيلة“ سند کی حیثیت رکھتا ہے اس کی ہر سطر آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہے، لیکن علامہ رحمہ اللہ کی بھاری بھر کم علمی شخصیت کی طرح وہ بڑا دقیق اور منطقی طرز استدلال کا حامل ہے۔ ضرورت تھی کہ اس اہم موضوع کو عام فہم انداز میں اس طرح پیش کیا جائے کہ وسیلہ کی حقیقت خاص و عام پر منکشف ہو جائے اور لوگ کتاب و سنت کی روشنی میں مشروع وسیلہ کو اچھی طرح سمجھ جائیں، چونکہ ممنوع وسیلہ کی گمراہی عام طور پر عوام الناس اور دین سے غافل لوگوں میں زیادہ پائی جاتی ہے، اس لئے اس نازک مسئلے کو دل نشین کرنے کے لئے ان کی فہم و استعداد کے مطابق آسان اور عام فہم کتاب کی ضرورت عرصہ سے محسوس کی جا رہی تھی۔

خوش قسمتی سے سال گذشتہ سفر حج کے موقع پر علامہ شیخ محمد نسیب الرفاعی جو حلب کے مشہور سلفی عالم اور کتاب و سنت کے پر جوش داعی اور مبلغ ہیں، سے ملاقات کا کئی بار موقع ملا۔ علامہ موصوف نے اپنی تازہ تصنیف ”التوصل الی حقيقة التوسل“ مجھے ازراہ محبت و ہدیہ پیش کی۔ کتاب کا موضوع طرز تحریر، ترتیب اور افادیت ہر اعتبار سے کتاب جاذب اور مرغوب خاطر ثابت ہوئی۔

چند ماہ کی محنت کے بعد جب ترجمہ و کتابت کے مراحل طے کر کے کتاب طباعت کے لئے پریس جا رہی تھی تو جامعہ اسلامیہ مدینہ کے ایک ہونہار اور صالح طالب علم نے محدث العصر محمد ناصر الدین البانی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ”التوسل انواعه واحكامه“ مجھے پیش کی۔ علامہ موصوف کی نادرہ روزگار شخصیت اور ان کے موجودہ علمی مقام کا تصور کر کے وسیلہ کے موضوع پر ان کی یہ کتاب مجھے ایک بیش بہا علمی تحفہ معلوم ہوئی، اگرچہ دونوں کتابوں کے طرز نگارش اور انداز بیان میں بڑا نمایاں فرق ہے، لیکن یہ دونوں ہی کتابیں انتہائی قابل قدر اور لائق استفادہ ہیں۔ احباب و مخلصین کے مشورہ سے علامہ البانی رحمہ اللہ کی کتاب کا ابتدائی ثلث حصہ بطور مقدمہ کتاب کے شروع میں شامل کر دیا گیا تاکہ کتاب مجمع البحرین کی حیثیت سے دو گونہ مفید ثابت ہو، وسیلہ کی بابت عوام میں جو گمراہیاں پھیلی ہوئی ہیں اور جس سے عوام الناس کا عقیدہ زریو بالا ہو چکا ہے۔ اس کے پیش نظر کتاب کی عام اور بڑی تعداد میں اشاعت کی ضرورت ہے۔ انتھی

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ دور حاضر کے ان دونوں عظیم سلفی علماء کی کوششوں کو قبول فرمائے اور مترجم مختار احمد ندوی حفظہ اللہ اور ناشر نعمانی کتب خانہ حق اسٹریٹ اردو بازار لاہور کو بھی جزائے خیر عطا فرمائے اور انٹرنیٹ پر اس کتاب کی اشاعت کو ہم سب کے لئے وسیلہ نجات بنائے۔ (آمین)

دعاؤں کے طالب

مسلم ورلڈ ویڈیو پبلسٹک پاکستان

ممنوع وسیلہ کا بیان

اس کتاب کی تالیف کا اصل مقصد ہی یہ کہ ممنوع وسیلہ کی تعریف اور اس کا تفصیلی بیان کیا جائے، لیکن ممنوع وسیلہ کے بیان سے قبل مشروع وسیلہ کا ذکر اس لئے کیا گیا کہ لوگ اس کے مضبوط دلائل پڑھ کر یقین کر لیں کہ اللہ تعالیٰ صرف اسی وسیلہ و تقرب کو قبول کرتا ہے جو اس نے خود مشروع کیا ہے اور ”مشروع وسیلہ“ کو اسی لئے ”مشروع“ کہا بھی گیا ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے مقرر کیا ہے۔ لہذا تمام اہل ایمان کا فرض ہے کہ اسی وسیلہ کو اختیار کریں اپنی من مانی نہیں، بلکہ اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے مشروع و مامور سمجھ کر اختیار کریں۔

جب ہم مشروع وسیلہ کا بیان اس کے مضبوط اور روشن دلائل کا ذکر کرتے ہیں اور یہ بتاتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اسی وسیلہ کو اللہ تعالیٰ سے سیکھا تھا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاء نے اسی وسیلہ کو اختیار کیا اور قیامت تک یہی وسیلہ امت کے لئے مشروع و مقبول ہے، تو ہم محسوس کرتے ہیں کہ اس سے عام مسلمانوں پر گہرا اثر پڑے گا۔

جو لوگ ممنوع وسیلہ کے قائل ہیں وہ مشروع وسیلہ کے مضبوط دلائل اور الہامی حجت و براہین کو پڑھ کر اپنے بے بنیاد غلط معتقدات پر نظر ثانی کے لئے مجبور ہوں گے اور جب دلائل محمدیہ اور براہین مصطفویہ کی طاقت و زور کے سامنے اپنے کمزور و بودے تصورات کی بے وقعتی کا مشاہدہ کریں گے تو وہ مشروع وسیلہ کی اسی روشن اور حق و ہدایت سے معمور شاہراہ پر چل پڑیں گے۔

اور جو لوگ مشروع وسیلہ پر ایمان رکھتے ہیں وہ اس کے دلائل پڑھ کر مزید اطمینان حاصل کریں گے۔ ان کے قلوب حق کے نور سے مزید روشن ہوں گے اور انہیں مشروع وسیلہ کی حقانیت و مقبولیت پر اور زیادہ جماؤ اور رسوخ حاصل ہوگا اور وہ اپنے ان بھائیوں کی طرح محبت اور جوش کے ساتھ لپکیں گے جنہوں نے مشروع وسیلہ کے ایمان افروز دلائل پڑھ کر اپنے قلوب کو روشن کیا اور حق کی اسی شاہراہ پر چل پڑے جس پر یہ پہلے سے چلتے آ رہے تھے اور دونوں مل کر حق و ہدایت کے لئے توفیق پانے پر اللہ کا شکر ادا کریں گے۔

بس اس کتاب کی تالیف کا حقیقی مقصد ہی یہ ہے کہ امت مسلمہ کی صف بندی کی جائے اور حق ہدایت کے مرکز پر سب کو جمع کیا جائے اور امت محمدیہ کے انتشار و افتراق کو ختم کر کے سب میں ”ایک امت“ ہونے کا جذبہ پیدا کیا جائے اور غلط عقائد کی بنیاد پر خود ساختہ دلائل کی آڑ لے کر جو لوگ امت مسلمہ میں اختلاف و گروہ بندی پیدا کر رہے ہیں ان کا منہ بند کیا جائے۔ اللہ کا فضل و کرم ہے کہ اس نے اس دین کی حفاظت کا انتظام کیا ہے اور حق کی راہ خوب روشن کر دی ہے جن کی آنکھیں کھلی ہوں گی وہ نور حق کی روشنی میں صراط مستقیم پر ہی چلیں گے ورجو خدا اور ہٹ پر قائم رہیں گے ان سب کے لئے خسران و ضلال کے سوا کچھ نہیں۔

ممنوع وسیلہ کی تعریف:

ممنوع وسیلہ کی تعریف یہ ہے کہ بندہ اللہ کا تقرب ایسے عمل کے ذریعہ حاصل کرنا چاہے جو اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت کے خلاف ہو۔ مثلاً آسمان وزمین میں اللہ کی جو مخلوقات ہیں ان کی ذات کو اللہ کی بارگاہ میں وسیلہ بنایا جائے، جیسے فرشتے، انبیاء صالحین۔ ان بزرگوں کے صالح اعمال کی اتباع کئے بغیر صرف ان کی ذات کو وسیلہ بنائے۔ اس طرح مقدس مقامات کا وسیلہ لے۔ مثلاً کعبۃ اللہ، مشعر الحرام، رمضان المبارک، شب قدر ذی الحجہ اور دوسرے حرمت والے مہینوں کو وسیلہ بنائے، لیکن ان میں جن اعمال کے ادا کرنے کی ہدایت کی گئی ہے اس کی پرواہ نہ کرے۔

ممنوع وسیلہ کا حکم:

ممنوع وسیلہ حرام ہے۔ البتہ اس کی حرمت وسیلہ کی نوعیت اور اس کے طریقوں کے اعتبار سے سمجھی جائے گی۔ حرام وسیلہ کی اعلیٰ قسم تو کفر ہے اور سب سے ادنیٰ قسم وہ ہے جس میں کسی شرعی عمل کی مخالفت ہوتی ہو۔ حرام وسیلہ اختیار کرنے والے کو روکنا چاہئے، پہلے اس کو توبہ کرانی چاہئے ورنہ مسلمانوں کے امام و پیشوا کو اختیار ہے کہ ہر اس حد کو جاری کر سکتا ہے جس سے حرام وسیلہ اختیار کرنے والے کو ارتکاب جرم سے باز رکھا جاسکے البتہ سزا سے قبل اس کو دلائل و براہین سے قائل کیا جائے اور وعظ و نصیحت کر کے اس کو نفع حرام سے بچنے کی تلقین کی جائے۔ لیکن اگر کوئی شخص ممنوع و حرام وسیلہ کا مرتکب ہی ہو جائے تو خواہ جان بوجھ کر کہا ہو یا جہالت علمی سے کہا ہو، بھول چوک سے کیا ہو یا قصداً جان بوجھ

کر کیا ہو جس درجہ و نوعیت کا وسیلہ اختیار کیا ہوگا اسی قسم کی سزا حکم کا مستحق ہوگا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق بخشے اور ضلالت کی راہ پر بھٹکنے سے بچائے اور حق سننے اور اس پر عمل و اتباع کی سعادت عطا فرمائے۔ آمین

ممنوع وسیلہ کے اقسام:

جو لوگ ممنوع و حرام وسیلہ کو حلال سمجھتے ہیں وہ اسے تین طریقے سے کرتے ہیں۔

اول:

کسی ذات اور شخص کو وسیلہ بنانا۔ مثلاً کسی مخصوص آدمی کا نام لے کر کہے کہ اے اللہ! میں تیری بارگاہ میں فلاں شخص کا وسیلہ بنا کر پیش کرتا ہوں کہ تو اس کے وسیلے سے میری حاجت پوری فرمادے۔ وسیلہ لینے والے کے دل میں ”فلاں شخص“ سے اس شخص کی ذات مراد ہو۔

دوم:

کسی کے جاہِ حق، حرمت اور برکت کا وسیلہ لینا۔ مثلاً وسیلہ لینے والا کہے: ”اے اللہ! فلاں شخص کا تیرے پاس جو مرتبہ ہے اس کو وسیلہ بنانا ہوں یا فلاں شخص کا تجھ پر جو حق ہے اس کو وسیلہ بنانا ہوں یا اس شخص کی حرمت اور برکت کو وسیلہ بنانا ہوں کہ تو میری حاجت پوری فرمادے۔“

سوم:

کسی کے وسیلہ سے اللہ کی قسم کھانا۔ مثلاً کہنے والا کہے۔ ”اے اللہ! فلاں شخص کے وسیلہ سے تجھ پر قسم کھاتا ہوں کہ تو میری حاجت پوری فرمادے۔“ ممنوع وسیلہ کو حلال سمجھنے والے انہیں تین طریقوں پر وسیلہ لیتے ہیں جب کہ حقیقت یہ ہے کہ یہ تینوں ہی طریقے باطل اور اصول دین کے مخالف ہیں۔ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ وسیلہ مذکورہ بالا تینوں طریقے شرع کے خلاف اور ممنوع و حرام ہیں لہذا کسی شخص کے لئے جائز نہیں کہ ان میں سے کسی بھی طریقہ کو استعمال کرے اور ان تینوں کو حلال سمجھنے والے انہیں تقرب الہی کا بہتر ذریعہ سمجھتے ہیں اور ان کو دعا کی قبولیت کا مؤثر وسیلہ سمجھتے ہیں تو آخر یہ تضاد اور اختلاف کیسے ختم ہو؟ لیکن یہ کچھ مشکل بات نہیں۔

اختلاف کوئی نئی چیز نہیں، اور صرف ہمارے ہی اندر اختلاف نہیں ہوا ہے۔ اختلافات کا ہونا بالکل قدرتی بات ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کو دور کرنے کی بھی راہ متعین فرمادی، اور وہ یہ ہے کہ جب ہم کسی بات میں اختلاف کریں تو اللہ اور اس کے رسول کی سنت کو حکم بنالیں اور اپنا اختلاف ان کے سامنے پیش کر دیں، جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۗ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ۝ (النساء: ۵۹)

ترجمہ: ”اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور جو تم میں سے صاحب حکومت ہیں ان کی بھی اور اگر کسی بات پر تم میں اختلاف واقع ہو تو اگر تم اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو تو اس میں اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی طرف رجوع کرو۔ یہ بہت اچھی بات ہے اور اس کا انجام بھی اچھا ہے۔“

ظاہر ہے کہ اس آیت کی روشنی میں اختلاف کرنے والے دونوں ہی گروہ اللہ اور اس کے رسول کو حکم بنانے اور فیصلے کو برحق ماننے اور ان پر عمل کرنے کے لئے پابند ہیں، کیونکہ اگر ایسا نہیں تو پھر ایمان ہی نہیں۔ جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِي مَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ۝ (النساء: ۶۵)

ترجمہ: ”تیرے رب کی قسم یہ لوگ جب تک اپنے تنازعات میں تمہیں منصف نہ بنائیں اور جو فیصلہ تم کر دو اس سے اپنے دل میں تنگ نہ ہوں بلکہ اس کو خوشی سے مان لیں، تب تک مومن نہیں ہوں گے۔“

لہذا جب دونوں ہی فریق اللہ اور اس کے رسول کی عدالت میں اپنا مقدمہ پیش کرنے اور ان کا فیصلہ ماننے اور عمل کرنے پر متفق اور راضی ہیں تو آئیے دونوں ہی فریق اپنا اپنا مقدمہ اپنے دلائل کے ساتھ پیش کریں۔

جہاں تک ہمارا تعلق ہے، ہم نے شروع ہی میں مشروع وسیلہ کی وضاحت کر دی ہے، اور قرآن وحدیث، نیز صحابہ کرام اور سلف صالحین کے اعمال سے اس کے مشروع ہونے کے دلائل دے دیئے ہیں اور یہ بھی بتا دیا ہے کہ شارع علیہ السلام نے اسی مشروع وسیلہ کو اختیار کرنے اور اس پر عمل کرنے کی ترغیب دی ہے۔ البتہ ہم نے کتاب اللہ وسنت رسول اللہ میں کہیں بھی اس ممنوع وسیلہ کا ذکر نہیں پایا جس کے حلال و مشروع ہونے کا ہمارے مخالفین دعویٰ کر رہے ہیں۔ اگر یہ وسیلہ بھی مشروع ہوتا تو اس کا ذکر شارع علیہ السلام ضرور کرتے اور اس پر بھی عمل کرنے کی ترغیب دیتے، یہ بات عقل کے خلاف ہے کہ اتنی اہم بات کو اللہ رب العالمین بیان نہ فرماتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تبلیغ سے باز رہتے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اس پر عمل نہ کرتے۔ معلوم ہوا کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ میں اس کا ذکر نہ ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ وسیلہ مشروع ہی نہیں۔ اب جب مشروع ہیں تو صاف واضح ہے کہ یہ ممنوع اور حرام ہے۔

اگرچہ مذکورہ بالا تفصیلات سے فریق مخالف کے ممنوع وسیلہ کا غیر شرعی ہونا ثابت ہو گیا، لیکن ہم چاہتے ہیں کہ اس کے ممنوع ہونے کے مزید دلائل بھی بیان کر دیں۔



ممنوع وسیلہ کی پہلی قسم

کسی شخص کی ذات کا وسیلہ

اللہ تعالیٰ کا بارگاہ میں کسی کی ذات اور شخصیت کا وسیلہ لینا ایک غیر شرعی عمل ہے جس کا نہ اللہ نے حکم دیا ہے نہ ہی رسول اللہ ﷺ نے اس کی تبلیغ فرمائی ہے، بلکہ اللہ نے عمل اور اتباع سے خالی اس وسیلہ کی مذمت بھی فرمائی ہے۔ جیسا کہ اس مذموم وسیلہ کے مرتکب مشرکین کی بابت اللہ نے فرمایا ہے۔

أَلَا لِلَّهِ الدِّينُ الْخَالِصُ وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَىٰ إِنَّ اللَّهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِي مَا هُمْ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ كَاذِبٌ كَفَّارٌ ۝ (الزمر: ۳)

ترجمہ: ”دیکھو خالص عبادت اللہ ہی کے لئے ہے اور جن لوگوں نے اس کے سوا اور دوست بنائے ہیں (وہ کہتے ہیں) ہم ان کو اس لئے پوجتے ہیں کہ ہم کو اللہ کا مقرب بنا دیں، تو جن باتوں میں یہ اختلاف کرتے ہیں اللہ ان میں ان کا فیصلہ کر دے گا۔ بے شک اللہ اس جھوٹے شخص کو جو جھوٹا ناشکر ہے ہدایت نہیں دیتا۔“

اس آیت میں کسی شخص کی ذات کو وسیلہ بنانے کو اللہ نے رد کر دیا ہے اور اسے قبول نہیں فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں دو باتوں پر مذمت فرمائی ہے۔ اول:- اللہ کے سوا دوسروں کی بندگی پر۔

دوم:- اشخاص اور مخلوقات کو اللہ کی بارگاہ میں تقرب کا ذریعہ بنانے پر۔ کیونکہ یہ دونوں ہی باتیں عیب اور گناہ باطل اور جھوٹ اور گمراہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا أَمْوَالِكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ بِآلَتِي تُقَرَّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفَىٰ إِلَّا مَنْ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ لَهُمْ جَزَاءُ الضَّعْفِ بِمَا عَمِلُوا وَهُمْ فِي الْغُرُفَاتِ آمِنُونَ ۝

ترجمہ: ”اور تمہارا مال اور اولاد ایسی چیز نہیں کہ تم کو ہمارا مقرب بنا دیں۔ ہاں (ہمارا مقرب وہ ہے) جو ایمان لایا اور عمل نیک کرتا رہا۔ ایسے ہی لوگوں کو ان کے اعمال کے سبب دگنا بدلہ ملے گا۔ اور وہ خاطر جمع سے بالا خانوں میں بیٹھے ہوں گے۔“ (سبا: ۳۷)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو اللہ کے نزدیک مقرب ہوتے ہیں اور بڑے بڑے پاتے ہیں اور جن کی نیکیوں کا اجر بڑھایا جاتا ہے تو یہ سب کچھ ان کے اعمال صالحہ کی وجہ سے ہوتا ہے۔ ان کے مرتبہ اور واسطے سے کچھ نہیں ملتا۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا ارشاد:

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ سے یہ پوچھا گیا کہ دو آدمیوں نے آپس میں مناظرہ کیا۔ ایک نے کہا: اللہ اور ہمارے درمیان واسطہ ہونا ضروری ہے، کیونکہ ہم اس کے بغیر اللہ تک نہیں پہنچ سکتے۔“

اس کا جواب حضرت شیخ الاسلام نے یہ دیا:

”الحمد للہ رب العالمین! اگر سائل نے واسطہ یہ مراد یہ لی ہے کہ ایسا واسطہ ضروری ہے جو ہمیں اللہ کا حکم پہنچائے تو یہ حق اور درست ہے۔ اس لئے کہ لوگ نہیں جانتے کہ اللہ کی مرضی اور پسند کیا ہے؟ کس چیز کا اس نے حکم دیا اور کس سے منع کیا؟ اور اپنے دوستوں کے لئے کیا انعام و اکرام تیار کر رکھا ہے اور اپنے دشمنوں کے لئے کس عذاب کا وعدہ کیا ہے؟ لوگوں کو یہ بھی معلوم نہیں کہ اللہ اپنے کس اسماء حسنی اور صفات علیا کا حق دار ہے جن کو جاننے سے عقل عاجز ہے۔ یہ سب باتیں صرف انہیں رسولوں کے ذریعہ معلوم ہو سکتی ہیں جنہیں اللہ نے اپنے بندوں کی طرف بھیجا ہے۔ تو جو لوگ رسولوں پر ایمان لاتے ہیں ان کی اتباع کرتے ہیں، وہ ہدایت پر ہیں۔ انہیں اللہ اپنے نزدیک کرتا ہے، ان کے درجات بلند کرتا ہے، انہیں دنیا و آخرت میں عزت دیتا ہے، اور جو لوگ رسولوں کی مخالفت کرتے ہیں، وہ ملعون ہیں، اپنے رب سے دور اور محروم ہیں۔“

لیکن اگر سائل کی مراد واسطہ سے یہ ہے کہ یہ واسطہ نفع حاصل کرنے، نقصان دور کرانے کے لئے ہے۔ مثلاً یہ واسطہ لوگوں کو روزی دلانے، ان کی مدد اور ہدایت کے لئے ہے اور اسی کا لوگ ان سے سوال کرتے ہیں اور اسی کے لئے ان کے پاس جائیں، تو یہ وہ عظیم ترین شرک ہے جس کی بناء پر اللہ نے مشرکین کو کافر کہا ہے۔ کیونکہ ان مشرکین نے اللہ کے علاوہ دوسروں کو سفارشی بنایا تھا، انہیں سے نفع حاصل کرنے اور نقصان دور کرنے کی درخواست کرتے تھے۔“

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد:

دُرِّ مَخْتَارٍ اور ”ماتار خانہ“ میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ کسی کے لئے جائز نہیں کہ اللہ کو اس کی ذات کے سوا کسی اور ذریعہ سے پکارے اور جس دعا کا حکم اور اجازت دی گئی ہے وہ اس آیت کے مطابق ہے۔

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰی فَادْعُوْهُ بِهَا ۝ (الاعراف: ۱۸۰)

ترجمہ: ”اور اللہ کے اچھے نام ہیں انہیں ناموں سے اس کو پکارو۔“

ابن عربی کا قول:

مشہور صوفی ابن عربی نے ”فتوحات مکیہ“ میں کہا ”اللہ نے اپنی حجت بندوں پر قائم کر دی ہے اور ان کو اللہ پر حجت قائم کرنے کا موقع نہیں دیا ہے۔ لہذا اللہ کے پاس اس کی ذات کے سوا کسی اور چیز کا وسیلہ لینا جائز نہیں۔ اس لئے کہ وسیلہ کہتے ہیں ”قرب حاصل کرنے کو۔“ اور اللہ نے ہمیں خبر دی ہے کہ وہ ہم سے قریب ہے اور اس کی خبر سچی ہے۔“

یہ ابن عربی شام (دمشق) کا بہت مشہور صوفی گذرا ہے۔ علماء متفق ہیں کہ یہ شخص طاغوت تھا اسکے عقیدہ کفر کی وجہ سے علماء نے اس کی تکفیر کی ہے بلکہ یہاں تک لکھا ہے کہ جو ابن عربی لعنۃ اللہ علیہ کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہے شاید مصنف محمد نسیب الرفاعی حفظہ اللہ نے اس کا قول وسیلہ کی بابت دمشق کے مشرکین کی تردید میں نقل کیا ہے۔ بہر حال اس نے وسیلہ کے بارے میں حق بات کی ہے۔ جیسا کہ شیطان نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو حق بات بتلائی تھی۔ (بخاری)



ممنوع وسیلہ کی دوسری قسم

اللہ کے یہاں کسی کے مرتبہ یا حق یا حرمت وغیرہ کا وسیلہ چاہنا

اللہ کے یہاں کسی کے مرتبہ یا اس کی حرمت و عزت کا وسیلہ لینا غیر شرعی عمل ہے۔ اللہ نے نہ اسے مشروع کیا نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ہم تک پہنچایا نہ اس کا حکم دیا نہ اس کی تاکید کی اور نہ ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی کا عمل اس پر ثابت ہوا۔

جو لوگ اس قسم کے وسیلہ کو جائز سمجھتے ہیں ہم ان کے سامنے ایک سوال پیش کرتے ہیں کہ جس شخص کے جاہ و مرتبہ اور حرمت کے وسیلہ سے تم اللہ سے سوال کرتے ہو اللہ کے نزدیک ان کو یہ مرتبہ اور عزت کیسے مل گئی؟ کیا یہ سب عزت و مرتبہ انہیں محض اس لئے ملا کہ انہوں نے اپنے رب کی اطاعت کی اس کے احکامات پر عمل کیا اس کی منع کی ہوئی باتوں سے باز رہے انہوں نے اچھے بھلائی کے کام کئے اللہ کی راہ میں جہاد کیا لوگوں میں اس کی دعوت کو پھیلایا اللہ کی راہ میں تکالیف برداشت کیں۔ کیا ایسا نہیں ہوا؟ اگر انہوں نے ایسا نہ کیا ہوتا تو نہ انہیں یہ جاہ و عزت ملتی اور نہ یہ بلند مرتبہ نصیب ہوتا۔

جب حقیقت یہی ہے تو بتاؤ کہ ان کے ان اعمالِ حسنہ میں سے کیا تم کو بھی کچھ حصہ ملے گا؟ ظاہر ہے کہ تم یہی جواب دو گے کہ ہم کو ان کی نیکیوں میں سے کچھ نہیں ملے گا بلکہ ان کا عمل صرف انہیں کے لئے اور کسی کو بھی اس میں سے کچھ نہیں ملے گا۔ ہم کہیں گے کہ آپ کا یہ جواب بالکل حق اور درست ہے۔ جب آپ لوگوں کو یہ معلوم ہے کہ یہ عزت و مرتبہ انہیں محض ان کی اپنی کوشش سے حاصل ہوا اور ان کی کوشش کا پھل صرف انہیں کو ملے گا کسی کو ان میں سے کچھ نہیں ملنے والا ہے تو بتاؤ کہ جس جاہ و مرتبہ کے تم مالک نہیں ہو اس کو اللہ کے یہاں وسیلہ کیوں بناتے ہو؟ جب تمہارا اس پر ذرہ برابر حق نہیں تو اس حق کا واسطہ کیوں دیتے ہو؟ اللہ کا تو ارشاد ہے۔

وَأَنَّ لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ ، وَأَنَّ سَعْيَهُ سَوْفَ يُرَىٰ ، ثُمَّ يُجْزَاهُ الْجَزَاءَ الْأَوْفَىٰ ۝

ترجمہ: ”اور یہ کہ انسان کو وہی ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے اور یہ کہ اس کی کوشش دیکھی جائے گی پھر اس کو اس کا پورا بدلہ دیا جائے گا۔“ (النجم: ۴۱)

مذکورہ بالا تفصیلات سے ثابت ہوا کہ غیر مشروع وسیلہ اللہ کی بارگاہ میں مردود ہے کیونکہ وہ شرع و حکم الہی کے مطابق نہیں۔ نیز یہ حکم الہی کی خلاف ورزی بھی ہے اس لئے اس پر سزا بھی ہوگی۔ کیونکہ حکم الہی کی مخالفت گناہ ہے اور گناہ کی سزا لازم ہے۔

امت کے جو صالح افراد اپنے اعمالِ صالحہ کے ساتھ اللہ کو پیارے ہو گئے وہ انشاء اللہ اللہ کی رحمت و مغفرت، عفو و کرم اور انعام و رضا کی وسیع جنت میں لطف اندوز ہو رہے ہوں گے کیونکہ یہ ان کی نیکیوں کی جزا اور کوششوں کا پھل ہے۔ کسی اور کو حق نہیں پہنچتا کہ ان کی نیکیوں کو اپنے لئے وسیلہ بنائے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

کسی کے لئے جائز نہیں کہ اپنے اسلاف کی نیکیوں کا احسان اللہ پر جتائے اور اس پر بھروسہ کرے۔ کیونکہ یہ نیکیاں اس کا ذاتی عمل نہیں ہیں جن کے ثواب کا وہ مستحق ہو۔ غار میں پناہ لینے والے تینوں اشخاص کی مثال سامنے ہے کہ انہوں نے اپنے اسلاف کے اعمال کا وسیلہ نہیں۔ بلکہ خود اپنے اعمال کو وسیلہ بنایا۔

بزرگانِ دین کے اعمال کا وسیلہ لینے والوں سے ہم کہیں گے کہ آپ لوگ بھی ویسے ہی اعمال کیوں نہیں کرتے جیسے آپ کے بزرگ کیا کرتے تھے اور جس طرح وہ اپنے اعمال کا وسیلہ لیا کرتے تھے آپ لوگ بھی اپنے اعمال کا وسیلہ کیوں نہیں لیتے تاکہ جس طرح انہیں قرب الہی حاصل ہوا آپ کو بھی حاصل ہو۔ شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

لَسْنَا وَإِنْ أَحْسَبْنَا كَرُمْتَ يَوْمًا عَلَى الْأَبَاءِ تَتَكَلَّمُ

ہمارا خاندان اگر بڑا شریف ہے لیکن ہم خاندانی شرافت پر ایک دن کے لئے بھی بھروسہ نہیں کرتے

نَبْنِي كَمَا كَانَتْ أَوْلَانَا تَبْنِي وَتَفْعَلُ مِثْلَ مَا فَعَلُوا

ہمارے بزرگوں نے جس طرح اعمال کئے ویسے ہی ہم بھی کرتے ہیں

دعا کی قبولیت اور صاحب وسیلہ کی نیکی کے درمیان کیا تعلق؟ مثلاً وسیلہ لینے والا کہے گا کہ ”اے اللہ! تیرے فلاں بندے کے صالح ہونے کے سبب سے میری دعا قبول فرما۔“ آخر دعا سے اس کا کیا تعلق؟ یہ تو دعائیں ایک طرح کی ہٹ دھرمی ہوئی، حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

أَدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَ خُفْيَةً إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ۝ (الاعراف: ۵۵)

ترجمہ: ”لوگو اپنے رب سے چپکے چپکے اور عاجزی سے دعائیں مانگا کرو وہ حد سے بڑھنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔“

یہ اور اس قسم کی دعائیں اہل بدعت ہی کا وظیفہ ہیں۔ اور نبی ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین عظام، ائمہ مجتہدین غرض کسی سے بھی اس قسم کی دعائیں منقول نہیں، بلکہ ان کا رواج تعویذ و گندے والے اصحاب طریقت ہی کے یہاں ہے۔

دعا تو افضل ترین عبادت ہے اور عبادت کی بنیاد سنت اور اتباع پر ہے، ہوی و بدعات پر نہیں۔



ممنوع وسیلہ کی تیسری قسم

اللہ پر صاحب وسیلہ کی قسم کھانا

قسم اور حلف کی حقیقت یہ ہے کہ وہ اللہ کے نام سے لی جائے۔ کیونکہ قسم عبادت ہے اور عبادت غیر اللہ کی جائز نہیں۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے۔ ”جب کسی کو قسم کھانی ہو وہ اللہ کے نام کی قسم کھائے ورنہ چپ رہے۔“ اور ترمذی میں ہے کہ۔ ”جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی اس نے شرک کیا۔“ اس سے معلوم ہوا کہ جب مخلوق کی قسم مخلوق پر حرام ہے تو پھر کسی مخلوق کے نام کی قسم خالق پر کیسے جائز ہو سکتی ہے؟ مثلاً اگر کوئی کہے کہ ”اے اللہ تجھ پر فلاں بزرگ کی قسم کھاتا ہوں یا فلاں کے حق کے وسیلے سے تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ میری حاجت پوری کر۔“ ایسا کہنا سراسر حرام ہے۔

مخلوق کے بارے میں تو آپ سوچ سکتے ہیں کہ اگر اس کے سامنے کسی بڑے یا معزز شخص کی قسم کھائی جائے تو وہ اس سے متاثر ہو کر اپنا ارادہ بدل سکتا ہے اور آپ جیسی کر سکتا ہے، لیکن اللہ رب العالمین کسی کی قسم سے متاثر ہو کر اپنا ارادہ نہیں بدلتا، نہ اللہ پر کوئی اپنی جیسی مسلط کر سکتا نہ اس کے ارادے سے کوئی اس کو باز رکھ سکتا ہے۔ وہ ان باتوں سے بہت بلند ہے۔ اس کا تو ارشاد ہے:

وَهُوَ يُجِيرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ ۝ (المؤمنون: ۸۸)

ترجمہ: ”اور وہ پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابل کوئی پناہ نہیں دے سکتا۔“

اللہ تو اس عظمت کا مالک ہے کہ جس سے بڑا کوئی ہے ہی نہیں۔ اس کے حکم کو نالنے والا کوئی نہیں، نہ کوئی اس کی مخالفت کر سکتا نہ اسے روک سکتا ہے۔ جو اس نے چاہا، ہوا، جو نہیں چاہا، نہیں ہوا، جب اللہ کی یہ عظیم شان ہے تو بھلا اس پر کسی مخلوق کی قسم کیسے کھائی جاسکتی ہے؟ اس کی ذات تو ایسی برتر و مقدس و اعلیٰ ہے کہ مخلوق پر اس کی قسم کھانی چاہئے، نہ کہ الٹے مخلوق کی قسم اس کھائی جائے۔

ذرا سوچیے! اللہ پر کسی مخلوق کی قسم کھانی صرف شرک ہی نہیں، بلکہ شرک کے ذریعہ اللہ کا تقرب حاصل کرنا ہے۔ اور تقرب کے لئے تو ضروری ہے کہ ایسی چیز کے ذریعہ حاصل کیا جائے، جس سے تقرب دینے والا خوش ہو، اور یہ بات کوئی عقل مند آدمی سوچ بھی نہیں سکتا کہ کسی کا تقرب اس کی ناپسندیدہ چیز سے حاصل کیا جائے۔

یہ حضرات اللہ پر اس کی مخلوق کی قسم کھاتے ہیں اور اسی قسم کے ذریعہ اس کا تقرب حاصل کرتے ہیں، جب کہ اللہ کو یہ پسند نہیں کہ اس کے ساتھ بندوں کو شریک کیا جائے۔ یہ لوگ نہ صرف یہ کہ شرک کرتے ہیں، بلکہ شرک کو تقرب الہی کا ذریعہ بھی بناتے ہیں۔ ایسی عقل پر ماتم کرنا چاہئے

ہم یہ بھی پوچھتے ہیں کہ جب قسم عبادت ہے تو بتاؤ کہ جس کی قسم کھائی جائے وہ بڑا ہوتا ہے یا جس پر قسم کھائی جائے وہ بڑا ہوتا ہے۔ تو سوچو کہ جب ہم کسی مخلوق کی قسم اللہ پر کھاتے ہیں تو ایسی صورت میں مخلوق خالق سے بڑی ہوگی (اس شرک اور کفر سے اللہ کی پناہ) علماء نے مخلوق کی قسم کھانے سے شدت سے روکا ہے اور

اس پر سخت تنبیہ کی ہے، کیونکہ اس میں شرک کے ساتھ الوہیت ربانی کے ساتھ زبردست ٹکراؤ بھی ہے۔

شارح عقیدہ طحاویہ کا بیان ہے کہ کسی کے حق کی اللہ پر قسم کھانا حرام ہے، کیونکہ مخلوق کی قسم مخلوق پر تو جائز نہیں، پھر بھلا خالق پر کیسے جائز ہو سکتی ہے؟ رسول اللہ

ﷺ کا ارشاد ہے:

مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللَّهِ فَقَدْ أَشْرَكَ ۝

ترجمہ: ”جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی اس نے شرک کیا۔“

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے صاحبین کا قول ہے کہ ”دعا کرنے والے کے لئے یہ حرام ہے کہ وہ یوں دعا کرے۔“ اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں فلاں کے حق کے واسطے سے تیرے نبیوں کے اور رسولوں کے حق کے واسطے سے، بیت اللہ الحرام اور مشعر الحرام کے حق کے واسطے سے، ایسا کہنا بھی حرام ہے کہ ”اے اللہ تیرے نزدیک فلاں کے مرتبہ کے واسطے سے سوال کرتا ہوں، تیرے انبیاء اور اولیاء کے واسطے سے سوال کرتا ہوں۔“

اگر یہ وسیلہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں لیتے تھے تو ایسا ہی وہ آپ کی وفات کے بعد بھی کرتے۔ حالانکہ وہ آپ کی زندگی میں آپ کی دعا کا وسیلہ لیتے تھے آپ سے دعا کی درخواست کرتے تھے اور پھر آپ کی دعا پر سب مل کر آمین کہتے تھے، جیسے کہ استسقاء وغیرہ میں ان کا معمول تھا۔ لیکن جب رسول اللہ ﷺ کی وفات ہو گئی اور لوگ استسقاء کیلئے نکلے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ”اے اللہ جب ہم قحط سالی کا شکار ہوتے تھے تو ہم تیری بارگاہ میں تیرے نبی ﷺ کو وسیلہ بناتے تھے، اور تو ہمیں سیراب کرتا تھا، اب ہم تیرے نبی کے چچا کا وسیلہ لیتے ہیں۔“ یعنی تیرے نبی کی زندگی میں ان کی دعا وسیلہ ہوتی تھی اور اب ان کی وفات کے بعد ان کے چچا کی دعا ہمارے لئے وسیلہ ہے۔ یہ ہرگز نہیں کہتے تھے۔ کہ ہم تجھ پر تیرے نبی کی یا تیرے نبی کے چچا کی قسم کھاتے ہیں یا ان کے جاہ و حق کے واسطے سے دعا کرتے ہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو پھر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی دعا کو وسیلہ بنانے کی ضرورت ہی نہ ہوتی۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا مرتبہ آپ کے چچا سے بہر حال بلند تھا۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے اس طرح دعا مانگی۔ ”اے اللہ! میرے باپ دادا کا جو تجھ پر حق ہے اس کے واسطے سے تجھ سے سوال کرتا ہوں۔“ اللہ نے حضرت داؤد علیہ السلام سے وحی کے ذریعہ پوچھا ”داؤد تیرے باپ دادا کا مجھ پر کیا حق ہے؟“

شیخ ابوالحسن القدوری کا بیان ہے کہ غیر اللہ کے نام سے سوال کرنا حرام ہے، کیونکہ غیر اللہ کا اللہ پر کوئی حق نہیں۔ حق تو اللہ کا اس کی مخلوق پر ہے۔ جب مخلوق کا خالق پر کوئی حق نہیں تو اس حق کے واسطے سے سوال کرنا کس طرح جائز ہے؟

ابن بلاجی نے ”شرح المختار“ میں کہا ہے کہ ”اللہ سے صرف اسی کے نام سے دعا مانگی جائے اور یوں نہ کہا جائے کہ اے اللہ تجھ سے سوال کرتا ہوں تیرے فرشتوں یا تیرے انبیاء کے واسطے سے۔ کیوں کہ مخلوق کا خالق پر کوئی حق نہیں۔“

اور شیخ نعمان خیر الدین حنفی نے ”جلاء العینین“ میں کہا کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ کسی کے لئے جائز نہیں کہ اللہ کے سوا کسی اور نام سے دعا مانگے۔ اور تمام حنفی کتابوں میں یہ صراحت موجود ہے کہ انبیاء اولیاء اور بیت اللہ کے حق کا واسطہ دے کر دعا مانگنا مکروہ تحریمی ہے اور ایسی حرمت ہے جس کی سزا جہنم ہے۔

مخلوقات کی ذات کو وسیلہ بنانے کی حرمت اور اس کے غیر شرعی ہونے کے دلائل کو اب ہم یہاں ختم کر رہے ہیں۔ اس ممنوع وسیلہ کے تمام اقسام کے باطل و حرام ہونے کو ہم نے الحمد للہ پوری طرح ثابت کر دیا ہے اور یہ واضح ہو گیا کہ یہ وسیلہ کتاب و سنت کے خلاف اور حق و صواب سے دور و نفور ہیں۔

اور اب ہم اس ممنوع وسیلہ کو حلال سمجھنے والوں کو موقع دیتے ہیں کہ وہ اپنے دلائل پیش کریں، اگر ان کے دلائل فی الواقع قرآن اور سنت صحیحہ کے مطابق ثابت ہوئے تو ہم کھلے دل سے وعدہ کرتے ہیں کہ ان کے دلائل کی حقانیت ثابت ہوتے ہی ہم حق کے سامنے جھک جائیں گے۔

اسی طرح ہم ان سے بھی اپیل کرتے ہیں کہ وہ اپنے دلائل کے باطل ہونے کا ثبوت پاتے ہی حق کا ساتھ دیں، اور اپنے فاسد عقیدہ سے توبہ کریں، اور اللہ سے معافی کے طلب گار ہوں، تاکہ دونوں ہی صورتوں میں حق کی فتح ہو، اور باطل کو شکست اور درہ مغلوب ہو جائے، اور ہم دونوں ہی مل کر محمد رسول اللہ ﷺ کا جھنڈا تھام لیں اور آپ کی اس وراثت کو حاصل کر لیں جس کا رسول اللہ ﷺ نے ہمیں وارث بنایا ہے۔ یعنی اللہ کی کتاب اور آپ کی سنت۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے۔

تَرَكَتُمْ فِيكُمْ أَمْرَيْنِ لَنْ تَضَلُّوا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا، كِتَابُ اللَّهِ وَ سُنَّتِي ۝

ترجمہ: ”میں نے تم میں دو چیزیں چھوڑ دیں ہیں۔ جب تک تم ان کو مضبوط تھامے رہو گے ہرگز گمراہ نہ ہو گے اللہ کی کتاب اور میری سنت۔“

آؤ ہم اس روشن اور مبارک عہد کی طرف لوٹیں جو قیامت تک کے لئے خیر القرون ہے۔ اگرچہ ہم اور ہماری اولاد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جسمانی صحبت نہیں پائی، لیکن آپ کی پاک سانس جو ان سطروں میں خوشبو پھیلا رہی ہے اس سے ضرور مشرف ہوئے ہیں۔ سچ ہے۔

أَهْلُ الْحَدِيثِ هُمُوهَا أَهْلُ النَّبِيِّ وَإِنْ لَمْ يَصْبِحُوا نَفْسَهُ أَنْفَاسَهُ صَحْبُوا

اہل حدیث ہی حقیقت میں نبی کے ساتھی ہیں۔ انہوں نے آپ

کی صحبت ذاتی اگرچہ نہیں پائی لیکن آپ کی مبارک سانسوں

(ارشادات طیبہ) کی صحبت ضرور پائی

لیجئے اب ہمارے دوستوں سے ان کے دلائل سنئے، آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ حق و صواب پر کون ہے؟



ممنوع وسیلہ کا بیان

تاکلین کے دلائل

جو لوگ ممنوع وسیلہ کے قائل ہیں وہ اپنی تائید میں قرآن مجید کی ان آیات کو عموماً پیش کرتے ہیں

۱. يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝

ترجمہ: ”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو اور اس کی راہ میں جہاد کرو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔“
(المائدہ: ۳۵)

۲. قُلْ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُمْ مِنْ دُونِهِ فَلَا يَمْلِكُونَ كَشْفِ الضُّرِّ وَلَا تَحْوِيلًا ۝ وَلِلَّهِ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ وَيَرْجُونَ رَحْمَتَهُ وَيَخَافُونَ عَذَابَهُ طَائِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ كَانُوا مَحْذُورًا ۝ (الاسراء)

ترجمہ: ”کہو (کہ مشرکوں) جن لوگوں کی نسبت (تمہیں معبود ہونے کا) گمان ہے ان کو بلا دیکھو۔ وہ تم سے تکلیف دور کرنے یا س کو بدل دینے کا کچھ بھی اختیار نہیں رکھتے۔ یہ لوگ جن کو (اللہ کے سوا) پکارتے ہیں وہ خود اپنے پروردگار کے ہاں ذریعہ (تقرّب) تلاش کرتے رہتے ہیں کہ کون ان میں (اللہ کا) زیادہ مقرب ہے اور اس کی رحمت کے امیدوار رہتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ بے شک تمہارے پروردگار کا عذاب ڈرنے کی چیز ہے۔“

۳. وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَّحِيمًا ۝

ترجمہ: ”اور ہم نے جو پیغمبر بھیجا ہے، اس لئے بھیجا ہے کہ اللہ کے فرمان کے مطابق اس کا حکم مانا جائے۔ اور یہ لوگ جب اپنے حق میں ظلم کر بیٹھے تھے اگر تمہارے پاس آتے اور اللہ سے بخشش مانگتے اور رسول اللہ بھی ان کیلئے، بخشش طلب کرتے تو اللہ کو معاف کرنے والا مہربان پاتے۔ (النساء: ۶۴)“

ان آیات قرآنی کے علاوہ بہت سی احادیث کو بھی وہ اپنی دلیل میں پیش کرتے ہیں جنہیں ترتیب کے ساتھ یہاں بیان کیا جا رہا ہے۔

۱۔ ما خرج رجل من بيته الى الصلاة فقال ' اللهم انى اسئلك بحق السائلين وبحق ممشاى هذا ' فانى لم اخرج اشراً ولا بطراً ولا رياءً ولا سمعة ' خرجت اتقاء سخطك وابتغاء مرضاتك ' اسئلك ان تنقذنى من النار ' وان تغفرلى ذنوبى ' انه لا يغفر الذنوب الا انت وكل الله به سبعين الف ملك يستغفرون له واقبل الله عزوجل بوجهه حتى يفرغ من صلاته O

ترجمہ: ”جو شخص اپنے گھر سے نماز کے لئے گھر سے نکلے اور یہ کہے اے اللہ تجھ سے سوال کرتا ہوں، سوال کرنے والوں کے حق کے واسطے سے اور اپنے اس چلنے کے حق سے کیونکہ میں گھر سے نہ تکبر سے نکلا، نہ اتراتے ہوئے نہ دکھاوے کے لئے، نہ پروپیگنڈے کے لئے، بلکہ نکلا ہوں تیری ناراضگی سے بچنے کے لئے، اور تیری رضا کی طلب میں۔ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ مجھ کو جہنم کی آگ سے بچالے اور میرے گناہ معاف کر دے، تیرے سوا کوئی گناہوں کو معاف کرنے والا نہیں، تو اللہ تعالیٰ اس پر ستر ہزار فرشتوں کو مقرر کر دے گا جو اس کے لئے استغفار کریں گے اور اللہ عزوجل اس ک طرف متوجہ ہوگا، یہاں تک کہ وہ شخص اپنی نماز سے فارغ ہو جائے۔ (ابن ماجہ)

۲۔ بہیقی نے ”دلائل النبوة“ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ ”آدم علیہ السلام نے جب غلطی کی تو انہوں نے کہا:

يا رب اسئلك بحق محمد الا ما غفرت لى O

ترجمہ: ”اے میرے رب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حق کے واسطے سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے بخش دے۔“

اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے آدم! تم نے محمد (ﷺ) کو کیسے پہچانا؟ میں نے تو ابھی انہیں پیدا ہی نہیں کیا۔ آدم علیہ السلام نے کہا: میرے رب! تو نے مجھے پیدا کیا اور میں نے اپنا سراٹھایا تو عرش کے پایوں پر لکھا ہوا پایا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ جس سے میں یقین کر لیا کہ تو اپنے نام کے ساتھ صرف اسی کا نام بڑھا سکتا ہے جو تیری مخلوق میں تجھے سب سے زیادہ محبوب ہوگا۔ اللہ نے فرمایا: آدم تم نے سچ کہا محمد (ﷺ) میری مخلوق میں مجھے سب سے زیادہ محبوب ہیں۔ اور محمد (ﷺ) نہ ہوتے تو میں تم کو بھی پیدا نہ کرتا۔ (مستدرک حاکم)

۳۔ ابو جعفر المصنوع نے امام مالک سے پوچھا ”ابو عبد اللہ میں دعا قبلہ رخ ہو کر مانگو یا رسول اللہ ﷺ کے سامنے ہو کر۔ امام مالک نے جواب دیا ”تم اپنا رخ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے کیوں پھیرو گے؟ جب کہ آپ قیامت تک کے لئے تمہارے لئے بھی وسیلہ ہیں اور تمہارے باپ آدم علیہ السلام کے بھی، آپ ہی کی طرف رخ کرو اور آپ سے شفاعت چاہو۔“

۴۔ فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا کی حدیث:

اللہ الذی یحیی ویمیت وهو حی لا یموت، اغفر لامی فاطمة بنت اسدٍ ولقنہا حجتہا ووسّع علیہا مدخلہا بحق نبیک والانبیاء الذین من قبلی فانک ارحم الرحمین O

ترجمہ: ”اللہ جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور وہ ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے کبھی نہیں مرے گا۔ میری ماں فاطمہ بنت اسد کو بخش دے اور انہیں ان کی حجت کی تلقین فرما اور ان کی قبر کو وسیع کر دے، اپنے نبی اور ان تمام انبیاء کے حق کے واسطے سے جو مجھ سے پہلے گزرے بے شک تو ارحم الراحمین ہے۔“

۵۔ عثمان بن حنیف سے روایت ہے کہ ایک نابینا رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور عرض کیا کہ آپ اللہ سے دعا کیجئے کہ مجھے اندھے پن سے عافیت

دے آپ نے فرمایا ”اگر چاہو تو میں دعا کروں اور چاہو تو صبر کرو اور صبر تمہارے لئے بہتر ہے۔“ اندھے نے کہا ”آپ دعا ہی فرما دیجئے۔“ آپ ﷺ نے اسے حکم فرمایا کہ خوب اچھی طرح وضو کر کے آئے اور یہ دعا پڑھے:

اللَّهُمَّ انى اسئلك واتوجه اليك بنبيك محمد نبي الرحمة يا محمد انى اتوجه بك الى ربى فى حاجتى لتقضى
اللهم شفعه فى ۝

ترجمہ: ”اے اللہ سوال کرتا ہوں تجھ سے اور متوجہ ہوتا ہوں تیری طرف تیرے نبی رحمت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے اے
محمد میں متوجہ ہوتا ہوں آپ کے وسیلے سے اپنے رب کی طرف اپنی ضرورت کے بارے میں تاکہ آپ اسے پوری کر دیں۔ اے
اللہ ان کی شفاعت میرے بارے میں قبول فرما۔“

روشنی لوٹ آئی اور وہ دیکھنے لگا۔ ابن حنیف کا بیان ہے کہ ابھی ہم مجلس سے اٹھیں بھی نہ تھے اور گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ وہ ہمارے پاس اس حالت میں آیا کہ لگتا
تھا کہ وہ کبھی اندھا ہی نہ تھا۔

۶۔ ایک شخص حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس ان کی خلافت کے زمانے میں اپنی ایک ضرورت لے کر برابر آیا کرتا تھا، لیکن حضرت عثمان
اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتے تھے۔ اس شخص نے عثمان بن حنیف سے اس کی شکایت کی۔ انہوں نے اس کو مشورہ دیا کہ وضو خانے میں جا کر وضو کرو اور مسجد میں آکر نماز
پڑھ کر یہ دعا پڑھو۔

اللهم انى اسئلك واتوجه اليك بنبيك محمد نبي الرحمة يا محمد انى اتوجه بك الى ربى فى حاجتى لتقضى وتذكر
حاجتك ۝

ترجمہ: ”اے اللہ تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف توجہ کرتا ہوں تیرے نبی رحمت محمد ﷺ کے واسطے سے۔ اے محمد میں اپنے
رب کی طرف آپ کے واسطے سے توجہ کرتا ہوں تاکہ میری فلاں حاجت تو پوری کر دے اس کے بعد تم اپنی حاجت کو دہراؤ۔“

وہ شخص چلا گیا اور ایسا ہی کیا، پھر حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے دروازے پر آیا تو دربان گھر سے نکلا اور اس شخص کا ہاتھ پکڑا اور حضرت عثمانؓ کے
پاس لے جا کر بٹھا دیا۔ حضرت عثمانؓ نے اس سے کہا: ”اپنی ضرورت بیان کرو۔“ اس نے بیان کیا۔ آپ نے فوراً پوری کر دی اور فرمایا ”جو بھی ضرورت رہا کرے کہہ دیا
کرنا۔ وہ شخص وہاں سے نکل کر سیدھے ابن حنیف کے پاس گیا اور کہا ”اللہ آپ کو جزائے خیر دے۔ وہ تو پہلے میری سنتے ہی نہ تھے۔ جب آپ نے ان سے کہا تب سنا
۔“ ابن حنیف نے کہا ”واللہ! میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بات تک نہیں کی۔ البتہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوا تھا وہاں آپ کے پاس ایک نابینا
آیا اور رسول اللہ ﷺ سے اپنی بصارت ختم ہوجانے کی شکایت کی۔“ اس کے بعد اور پر والی حدیث پوری بیان کر دی۔

۷۔ اذا سألتم الله فاسئلوها بجاهي فان جاهي عند الله العظيم ۝

ترجمہ: ”جب تم اللہ سے مانگو تو میری جاہ کے وسیلے سے مانگو، کیونکہ میرا مرتبہ اللہ کے نزدیک بڑا ہے۔“

۸۔ اذا اعيتكم الامور فعليكم باصحاب القبور ۝

ترجمہ: ”جب مسائل تم کو تنگ کریں تو قبر والوں سے مدد لو۔“

۹۔ یہیقی اور ابن شیبہ نے روایت کیا ہے کہ ”حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں قحط پڑا تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ بن حارث جو رسول اللہ ﷺ کے
صحابی تھے آپ کی قبر کے پاس آئے اور کہا ”یا رسول اللہ! اپنی امت کے لئے پانی طلب کیجئے، لوگ تباہ ہو رہے ہیں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ خواب میں ان کے پاس
آئے اور انہیں بشارت دی کہ عنقریب لوگوں کو پانی دیا جائے گا۔“

۱۰۔ صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا معمول تھا کہ جب لوگ قحط کا شکار ہوتے تو رسول اللہ ﷺ کے چچا

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ذریعہ پانی طلب کیا کرتے اور کہتے:

اللهم كنا نتوسل اليك بنبينا فتسقينا وانا نتوسل اليك بعم نبينا فاسقنا قال فيسقون ۝

ترجمہ: ”اے اللہ ہم تیری طرف تیرے نبی کا وسیلہ لیتے تھے تو تو ہمیں سیراب کرتا تھا، اور اب ہم تیرے نبی کے چچا کے وسیلہ سے

پانی طلب کرتے ہیں تو ہمیں سیراب فرما۔ راوی کا بیان ہے کہ لوگ سیراب کئے جاتے تھے۔“

۱۱۔ مسند دارمی میں ابوالجوزاء سے روایت ہے کہ اہل مدینہ سخت قحط میں مبتلا ہوئے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس شکایت لے کر گئے۔ آپ نے فرمایا کہ ”رسول اللہ کی قبر کی طرف دیکھو اور قبر کے پاس سے آسمان تک ایک روشندان بناؤ اس طرح کے قبر اور آسمان کے درمیان چھت باقی نہ رہے۔“ لوگوں نے ایسا ہی کیا جس کے بعد بارش ہوئی، یہاں تک کہ ہریالی آگ آئی اور اونٹ فرہ ہو گئے اتنے کہ چربی سے لد گئے۔ اسی مناسبت سے اس سال کا نام ہی ”عام الفتن“ پڑ گیا۔

۱۲۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو دفن کر دینے کے تین دن بعد ہمارے پاس ایک دیہاتی آیا اور رسول اللہ ﷺ کی قبر پر اپنے آپ کو ڈال دیا اور سر پر مٹی بہانے لگا اور کہا۔ اے رسول اللہ آپ نے کہا اور ہم نے آپ کی بات سنی۔ آپ نے اللہ کی طرف سے یاد کیا ہم نے آپ کی طرف سے یاد کیا اللہ نے جو آیات آپ پر اتاریں ان میں یہ بھی تھی۔

وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا ۝

(النساء: ۶۴)

ترجمہ: ”اور یہ لوگ جب اپنے حق میں ظلم کر بیٹھتے تھے اگر تمہارے پاس آتے اور اللہ سے بخشش مانگتے اور اللہ کا رسول بھی ان کے لئے بخشش طلب کرتے تو اللہ کو معاف کرنے والا مہربان پاتے۔“

اور میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا اور آپ کے پاس آیا ہوں کہ آپ میرے لئے مغفرت طلب فرمائیں قبر سے آواز آئی ”اللہ نے تم کو بخش دیا۔“

۱۳۔ ”الجواہر المنتظم“ میں روایت ہے کہ ایک دیہاتی قبر شریف پر کھڑا ہوا اور کہا:

”اے اللہ! یہ تیرے حبیب ہیں، اور میں تیرا بندہ ہوں، اور شیطان تیرا دشمن ہے۔ اگر تو نے مجھے بخش دیا تو تیرا حبیب خوش ہوگا، اور تیرا بندہ کامیاب ہو جائے گا اور تیرا دشمن غضبناک ہوگا۔ اور اگر تو نے مجھے نہیں بخشا تو تیرا حبیب غصہ ہوگا، اور تیرا دشمن خوش ہوگا، اور تیرا بندہ ہلاک ہو جائے گا۔“

اور اے میرے رب! تو اس بات سے کریم ہے کہ تیرا حبیب غصہ ہو اور تیرا دشمن خوش ہو، اور تیرا بندہ ہلاک ہو۔

اے اللہ! عرب میں جب کوئی سردار مرتا ہے تو اس کی قبر پر غلام آزاد کرتے ہیں، اور یہ سید العالمین ہے اے ارحم الراحمین، مجھے ان کی قبر پر آزاد کر دے۔“

حاضرین قبر میں سے کسی نے اس دیہاتی سے کہا: ”اے عرب بھائی تیرے اس بہترین سوال پر اللہ نے تجھے بخش دیا۔“

۱۴۔ بیہقی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک دیہاتی نبی ﷺ کے پاس بارش طلب کرنے کے لئے آیا اور یہ اشعار پڑھے:

اتیناک والعدراء یدمی لبانہا وقد شغلت ام الصبی عن الطفل

ہم آپ کے پاس اس حالت میں آئے کہ کنواریوں کے سینے خون آلود تھے، اور بچے کی ماں اپنے بچے سے بے پرواہ ہو چکی تھی

ولیس لنا الا الیک فرارنا وانی فرار الخلق الا الی الرسل

اور ہمارے لئے تیری طرف بھاگ آنے کے سوا کوء چارہ نہیں تھا، اور لوگ رسولوں کے سوا کس کے پاس بھاگ کر جائیں

ان اشعار پر آپ نے کوئی اعتراض نہیں کیا، بلکہ حضرت انس کا بیان ہے کہ جب دیہاتی نے یہ اشعار پڑھے تو آپ اپنی چادر گھسیٹتے ہوئے منبر پر تشریف لائے اور خطبہ دیا، اور لوگوں کے لئے بارش کی دعا کرتے رہے۔ یہاں تک کہ بارش ہونے لگی۔

۱۵۔ اور صحیح بخاری میں ہے کہ جب اعرابی آیا اور نبی ﷺ سے قحط کی شکایت کی تو آپ نے دعا فرمائی اور آسمان بارش سے پھٹ پڑا، آپ نے فرمایا اگر ابوطالب زندہ ہوتے تو ان کی آنکھیں (خوشی سے) ٹھنڈی ہو جاتیں، ہمیں ان کا یہ شعر کون سنائے گا؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا، شاید آپ ان کے اس شعر کی بابت فرما رہے ہیں۔

وابيض يستسقى الغمام بوجهه

ثمالم اليتامى عصمة للزامل

ترجمہ: اور وہ حسین شخص جس کے چہرے کے واسطے سے

بدلیوں سے بارش مانگی جاتی ہے تیبوں کا کفیل بیواؤں کا محافظ

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ کا چہرہ انور کھل اٹھا اور نہ تو اس شعر ہی پر آپ نے ناگواری فرمائی اور نہ ”یستسقى الغمام بوجهه“ کے فقرے پر اگر ایسا کہنا حرام اور شرک ہوتا تو آپ ضرور انکار فرمادیتے اور یہ شعر سننے کی خواہش نہ فرماتے۔

۱۶۔ طبرانی نے ”الکبیر“ میں روایت کی ہے کہ سواد بن قارب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے یہ قصیدہ پڑھا جس میں وسیلہ کا ذکر ہے اور آپ نے اس پر انکار نہیں کیا اس قصیدہ کے چند اشعار یہ ہیں۔

واشهد ان الله لا ربَّ غيره

وانك مامون على كل غائب

اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی رب نہیں

اور بے شک آپ محفوظ ہیں ہر پوشیدہ بات سے

وانك ادنى المرسلين وسيلة

الی اللہ یا ابن الاکرمین الا طائب

اور تمام پیغمبروں میں آپ ہی بارگاہ الہی میں سے

قریبی وسیلہ ہیں اے شریف پاکیزہ والدین کے بیٹے

فمرنا بما ياتيك يا خير مرسل

وان كان فيما فيه شيب الذوائب

اے خیر مرسل آپ کے پاس جو حکم آتا ہے اس کا ہم کو حکم فرمادیں

اگرچہ اس کی تعمیل میں پہاڑوں کی چوٹیاں کیوں نہ سر کرنی پڑیں

وكن لى شفيعا يوم لا ذو شفاعة

بمغن فتبلا عن سوادبن قارب

اور آپ میرے شفیع اس دن کے لئے بن جائیں جس دن

سواد بن قارب کی کوئی شفاعت والا ذرا بھی فائدہ نہ پہنچا سکے

۱۷۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے ”الاذکار“ میں ذکر کیا ہے کہ نبی ﷺ نے حکم فرمایا کہ بندہ فجر کی نماز کے بعد تین مرتبہ یہ دعا پڑھے۔

”اللهم رب جبرائيل وميكائيل واسرافيل ومحمد صلى الله عليه وسلم اجرني من النار“

۱۸۔ اگر رکوع کرنے والے بندے اور چرنے والے جانور نہ ہوتے تو عذاب تم پر اہل پڑتا۔

۱۹۔ عبد الملک بن ہارون بن غنمہ اپنے والد اور اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پاس تشریف

لائے اور کہا میں قرآن سیکھتا ہوں اور وہ مجھ سے بھاگتا جاتا ہے آپ نے فرمایا۔ اس طرح کہو ”اے اللہ تجھ سے سوال کرتا ہوں تیرے نبی حضرت محمد ﷺ اور تیرے

خلیل ابراہیم علیہ السلام اور تیرے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام اور تیری روح اور کلمہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے واسطے سے اور موسیٰ کی تورات اور عیسیٰ کی انجیل اور داؤد

کی زبور اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے فرقان اور ہر اس وحی کے واسطے سے جو تو نے کی اور ہر اس فیصلہ کے واسطے سے جو تو نے کیا۔“

صاحب تفسیر موسیٰ بن عبدالرحمن الصنعانی نے اپنی سند سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا: ”جو چاہتا ہو کہ اللہ سے قرآن حفظ کرادے اور علم کے تمام اقسام بھی اسے یاد ہو جائیں تو اسے چاہئے کہ یہ دعا شیشے کے ایک برتن میں شہد اور زعفران اور بارش کے پانی سے لکھے اور نہار منہ اسے پئے اور اسے تین دن روزہ رکھنا چاہئے اور اسی سے افطار بھی کرنا چاہئے اور نمازوں کے بعد یہ دعا پڑھے۔“

اللهم انى اسئلك بانك مسئول لم يسئل مثلك ولا يسئل واسئلك بحق محمد نبيك و ابراهيم خليلك و موسىٰ نجيك و عيسىٰ روحك و كلمتك و وجيئك O

ترجمہ: ”اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اس واسطے کہ تو مسئول ہے تیری طرح نہ پہلے سوال کیا گیا نہ آئندہ کیا جائے گا، اور سوال کرتا ہوں تیرے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور تیرے خلیل ابراہیم اور تیرے ہم کلام موسیٰ اور تیری روح اور کلمہ اور وجیہ عیسیٰ کے واسطے سے۔“

۲۱۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ خیبر کے یہودی قبیلہ غطفان سے لڑا کرتے تھے۔ جب یہودی شکست کھاتے تو اس دعا کے ذریعہ پناہ مانگتے:

اللهم انا نسئلك بحق محمد ن النبي الامى الذى وعدتنا ان تخرجه لنا احر الزمان الا نصرتنا عليهم O

ترجمہ: ”اے اللہ ہم تجھ سے سوال کرتے ہیں نبی امی محمد کے حق کے واسطے سے جن کے بارے میں تو نے ہم سے وعدہ کیا تھا کہ آخر زمانے میں تو انہیں ہمارے لئے مبعوث کرے گا اور ان کفار پر تو ہمیں فتح دے گا۔“

یہودی جب بھی یہ دعا مانگتے تو غطفان شکست کھا جاتے، لیکن جب رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے تو انہوں نے آپ کا انکار کیا اسی کی بابت اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا O

ترجمہ: ”اور وہ اس سے پہلے کافروں پر مدد مانگا کرتے تھے۔“

۲۲۔ ترمذی میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ ”قیامت کے دن آپ میری شفاعت فرمائیں۔“ آپ نے فرمایا ”کروں گا۔“

۲۳۔ صفیہ بنت عبدالمطلب نے آپ کی وفات کے بعد آپ کی شان میں مرثیہ لکھا جس میں انہوں نے کہا تھا۔

الا يا رسول الله انت رجاؤنا و كنت بنا برًا ولم تك جافيا

اے اللہ کے رسول آپ ہماری امید ہیں اور آپ ہمارے ساتھ اچھا سلوک کرتے تھے ظالم نہ تھے

اس مرثیہ میں آپ کی وفات کے بعد آپ کو ”انت رجاؤنا“ کہہ کر پکارا گیا ہے۔ اس شعر کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سنا لیکن کسی نے اعتراض و انکار

نہیں کیا۔

۲۴۔ ترمذی کا خواب:

طاہر بن ہاشم باعلوی نے اپنی کتاب ”مجمع الاحباب“ میں امام ابو عیسیٰ الترمذی صاحب السنن کے ذکر میں لکھا ہے کہ انہوں نے خواب میں اللہ تعالیٰ کو دیکھا اور پوچھا کہ ”ایمان زندگی بھر کیسے سلامت رہ سکتا ہے“ تو اللہ نے فرمایا ”کہو“

الهي بحرمة الحسن و اخيه و جدّه و بنيه و امه و ابنيه نجنى من الغم الذى انا فيه ، يا حى يا قيوم يا ذا الجلال و الاكرام

اسألك ان يحيى قلبى بنورك معرفتك يا الله يا الله يا ارحم الراحمين O

ترجمہ: ”اے اللہ! حسن، ان کے بھائی، اور ان کے نانا، اور ان کے بیٹوں اور ان کی ماں، ان کے باپ کی عزت کے صدقہ میں مجھے اس غم سے نجات دے جس میں میں پھنسا ہوں اے زندہ رہنے والے اے قیوم اے جلال و بزرگی والے تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ میرا دل اپنی معرفت کے نور سے زندہ کر دے۔ یا اللہ یا اللہ یا رحم الراحمین۔“

۲۵۔ امام شافعی کا آل بیت سے وسیلہ لینا:

ابن حجر مکی نے ”الصواعق المحرقة لآخوان الضلال والزندقة“ میں ذکر کیا ہے کہ امام شافعی نے آل بیت نبوی کا وسیلہ لیا، جیسا کہ انہوں نے اپنے اشعار میں کہا۔

النبی ذریعتی وهم الیہ وسیلتی ارجوہم اعطی غدا یدی الیمین صحیفتی
نبی کے آل میرا ذریعہ نجات ہیں، وہی لوگ اللہ تک میرا وسیلہ ہیں
میں امیدوار ہوں کہ کل انہیں کے ذریعہ میرے داہنے ہاتھ میں میرا صحیفہ عمل دیا جائے گا

۲۶۔ امام شافعی کا امام ابوحنیفہ کی قبر کے پاس ان کا وسیلہ لینا:

ابن حجر مکی نے ”الخبیرات الحسان“ کی پچیسویں فصل میں امام ابوحنیفہ کے مناقب کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جب امام شافعی بغداد میں مقیم تھے تو آپ حاجات پوری کرنے کے لئے امام ابوحنیفہ کی قبر پر جا کر ان کے وسیلہ سے دعا مانگتے تھے۔

ممنوع اور حرام وسیلہ کو جائز کہنے والے حضرات انہیں دلائل کا سہارا لیتے ہیں اور عوام لناس کو انہیں شبہات کا شکار بنا کر ممنوع وسیلہ اختیار کرنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ ہم علم اور تحقیق کی نگاہ سے جب ان دلائل کا (جنہیں دلائل کے بجائے شبہات کہنا بہتر ہوگا) مطالعہ کرتے ہیں تو ان حضرات کے علمی افلاس پر بڑا ترس آتا ہے۔ ہم اگلے صفحات میں تفصیل کے ساتھ ایک ایک شبہ پر خالص علم و تحقیق کی روشنی میں بحث کریں گے۔ ہم نے پوری وسعت نظری کے ساتھ ان کے تمام چھوٹے بڑے دلائل کو یہاں جمع کر دیا ہے۔ ناظرین کتاب سے گزارش ہے کہ وہ ان دلائل کو پڑھیں اور اس کے بعد ہمارا جواب ملاحظہ فرمائیں۔ انشاء اللہ صواب و خطا اور حق و ضلالت ان پر پوری طرح واضح ہو جائے گا۔

مخلوقات کا سہارا لینے والے حضرات نے تین آیات قرآنی اور ۲۶ اقوال و احادیث اپنے ثبوت میں پیش کئے ہیں۔ عوام کو قرآن اور احادیث سنا دینا ہی کافی نہیں، بلکہ یہ بتانا چاہئے کہ یہ آیات کس موقع اور محل کے لئے ہیں اور ان سے کیا ثابت ہو رہا ہے؟ جب تک آیات کا وہ مفہوم نہ پیش کیا جائے جس پر جمہور مفسرین متفق ہیں تب تک ان سے استدلال کرنا ہی غلط ہے۔ اور احادیث کے متعلق تو تمام اہل علم جانتے ہیں کہ وہ سب صحیح نہیں ہیں، بلکہ ان میں صحیح، ضعیف، موضوع، جھوٹی اور بے اصل ہر طرح کی ہیں۔ احادیث سے استدلال کرنے والے بالعموم ان کے درجات سے بے خبر ہوتے ہیں۔ انہیں صحیح اور غلط کا معلوم ہی نہیں رہتا۔ اور اگر صحیح حدیث کبھی پیش بھی کرتے ہیں تو انہیں ان کے صحیح مفہوم اور موقع محل کا پتہ نہیں رہتا۔ ان کو یہ بھی معلوم نہیں رہتا کہ ان حدیثوں سے کیا ثابت ہو رہا ہے اور ان کا تاریخی پس منظر کیا ہے؟ سب سے پہلے ہم ان کی پیش کردہ آیات قرآنی پر بحث کر رہے ہیں۔



پہلی دلیل

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝

ترجمہ: ”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو اور اس کی راہ میں جہاد کرو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔“

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اپنے مومن بندوں کو تقویٰ کا حکم دیا ہے، یعنی اللہ کی اطاعت کے ساتھ حرام اور ممنوع چیز سے بچنا اور وسیلہ تلاش کرنے کا حکم دیا

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ ”وسیلہ ان نیک اعمال کو کہتے ہیں جن سے اللہ کا قرب حاصل ہو۔“ اور یہی قول مجاہد ابووائل، حسن قتادہ

اور سدی کا بھی ہے۔ تمام مفسرین کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں وسیلہ کے اعمال کو متعین فرمادیا ہے اور وہ ہیں اللہ پر ایمان، اس کا تقویٰ، اس کی اطاعت، اس کی راہ میں جہاد اور یہی وہ اعمال ہیں جن سے فلاح و رشد کی راہیں کھلتی ہیں اور مومن جنت الفردوس کا حق دار ہوتا ہے۔

آیت کے حقیقی مفہوم پر غور فرمائیے کہ اس میں مخلوقات اور صالحین کی ذات کے وسیلہ کا ذکر کہاں ہے؟ اس میں تو صرف اس شرعی وسیلہ کا ذکر ہے جو نیک اعمال کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے اور اس پر سب کا اتفاق ہے اور یہی اللہ کا حکم ہے جس سے کسی مومن کو انکار کی مجال نہیں! انکار تو اس حرام اور ممنوع وسیلہ سے ہے جو مخلوقات اور شخصیات کی ذاتوں کا لیا جائے اس آیت میں نہ اس کا کوئی ذکر ہے نہ تعلق۔ بلکہ ایمان تقویٰ اور جہاد فی سبیل اللہ کا حکم فرما کر اللہ تعالیٰ نے ان اعمال صالحہ کے شرعی وسیلہ کو متعین فرمادیا لہذا مخلوقات کی ذات کے وسیلہ پر اس آیت سے استدلال کرنا غلط ہے اور اعمال صالحہ کو وسیلہ بنانے کی مشروعیت کا جو دعویٰ ہم نے پچھلے صفحات میں کیا ہے اس کی مکررتائید ہوئی۔



دوسری دلیل

قُلْ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُمْ مِنْ دُونِهِ فَلَا يَمْلِكُونَ كَشْفِ الضَّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيلًا ۝ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ وَيَرْجُونَ رَحْمَتَهُ وَيَخَافُونَ عَذَابَهُ إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُورًا ۝

ترجمہ: ”کہو (کہ مشرکوں) جن لوگوں کی نسبت تمہیں معبود ہونے کا گمان ہے ان کو بلا دیکھو وہ تم سے تکلیف دور کرنے یا اس کو بدل دینے کا کچھ بھی اختیار نہیں رکھتے۔ یہ لوگ جن کو اللہ کے سوا پکارتے ہیں وہ خود اپنے پروردگار کے ہاں ذریعہ تقرب تلاش کرتے رہتے ہیں کہ کون ان میں اللہ کا زیادہ مقرب ہوتا ہے اور اس کی رحمت کے امیدوار رہتے ہیں اور اس کے عذاب سے خوف رکھتے ہیں۔ بے شک تمہارے پروردگار کا عذاب ڈرنے کی چیز ہے۔“

یہ دونوں آیتیں عرب کی ایک جماعت کے بارے میں نازل ہوئیں جو جنوں کے ایک گروہ کی عبادت کرتی تھی۔ بعد میں یہ جن مسلمان ہو گئے لیکن عبادت گزاروں کی اس جماعت کو جنوں کے اسلام کا علم نہ تھا تو اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں اپنے رسول محمد ﷺ کو خبر دی کہ آپ ان مشرکین سے کہہ دیں کہ جن جنوں کی تم اللہ کے سوا عبادت کر رہے ہو، ذرا ان کو پکار کر دیکھو کہ وہ تمہارے کسی کام کے نہیں ہیں۔ تم جو ان سے تکلیف دور کرنے اور نفع حاصل کرنے کی درخواست کر رہے ہو تو ان کو اس کا اختیار نہیں ہے۔ یہ حق اور خصوصیت تو صرف اللہ کو حاصل ہے۔

اور ان مشرکین کو معلوم ہونا چاہئے کہ یہ جن جنہیں معبود بنائے ہوئے ہیں وہ تو مسلمان ہو کر اللہ کی بندگی میں لگ گئے ہیں اور اطاعت و فرمانبرداری میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کر رہے ہیں اور ان میں سے ہر ایک جن اپنے اعمال صالحہ کے ذریعہ اس دھن میں لگا ہے کہ کون اللہ سے سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے اور پھر بندگی کر کے بھی رحمت الہی کے امیدوار اور عذاب الہی سے ڈر رہے ہیں۔

یہ ہے ان دونوں آیتوں کا صحیح مفہوم جن میں مشرکین کو یہ حقیقت سمجھائی جا رہی ہے کہ جن جنوں کی تم عبادت کرتے ہو ان سے سبق حاصل کرو۔ وہ اللہ پر سچے دل سے ایمان لائچکے ہیں، انہوں نے خود کو شرک سے بچا لیا ہے اور اللہ کی مرضی حاصل کرنے کے لئے عمل صالح کرنے میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کر رہے ہیں، اور اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لئے اپنے اس اعمال صالحہ کو وسیلہ بنائے ہوئے ہیں۔ ان کی اس حالت کو دیکھ کر تم کو یہ سمجھنا چاہئے کہ یہ معبود نہیں ہیں، اگر یہ معبود ہوتے تو اللہ کی بندگی کیوں کرتے؟ اللہ کی رحمت کے طالب کیوں ہوتے اللہ کے عذاب سے ڈرتے کیوں؟ یہ باتیں کسی عابد کی ہوتی ہیں یا معبود کی؟ تم اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ عبادت کون کرتا ہے، عابد یا معبود؟ بھلا معبود بھی دوسروں کے عذاب سے ڈرتا ہے اور اس کو بھی کسی کی رحمت کا سہارا لینا پڑتا ہے۔

غرض کہ اس آیت کا تعلق تو شرک کی مذمت اور توحید کی ترغیب سے ہے مخلوقات کی ذات کو وسیلہ بنانے سے اس کا کیا تعلق؟ شاید ان بیچاروں کو اس بات سے دھوکہ ہوا ہے کہ آیت میں ”الوسیلہ“ کا لفظ آگیا ہے، بس وسیلہ کا لفظ پڑھتے ہی سمجھ بیٹھے کہ وسیلہ سے مراد مخلوقات کا وسیلہ ہے۔

بریں عقل و دانش باید است



تیسری دلیل

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا ۝ (النساء: ۶۴)

ترجمہ: ”اور ہم نے جو پیغمبر بھیجا ہے اس لئے بھیجا ہے کہ اللہ کے فرمان کے مطابق اس کا حکم مانا جائے اور یہ لوگ جب اپنے حق میں ظلم کر بیٹھے تھے اگر تمہارے پاس آتے اور اللہ سے بخشش مانگتے اور رسول بھی ان کے لئے بخشش طلب کرتے تو اللہ کو معاف کرنے والا مہربان پاتے۔“

اس آیت کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ رسول جن لوگوں کی طرف بھیجے گئے ہیں ان پر رسولوں کی اطاعت فرض ہے اور یہ اطاعت بھی وہی لوگ کرتے ہیں جن کو اس کی توفیق نصیب ہو۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کفار و منافقین کی بابت فرماتے ہیں اگر یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں آتے اور رسول اللہ ﷺ سے درخواست کرتے کہ آپ ان کے لئے مغفرت کی دعا مانگیں اور وہ خود بھی رسول اللہ ﷺ کے سامنے اللہ سے توبہ و استغفار کرتے تو اللہ ان کی مغفرت فرماتا اور ان کی توبہ قبول فرماتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا لَوْ جَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا یعنی اللہ کو توبہ قبول کرنے والا پاتے۔

ہر مسلمان اور قرآن کو پڑھنے والا سمجھ سکتا ہے کہ یہ آیت اور اس کا مضمون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی تک کیلئے تھا۔ آپ کی مجلس میں آنا اور آپ کا استغفار کرنا سب امور زندگی سے متعلق ہیں۔ استغفار اور توبہ یہ سب عمل ہیں جو زندگی ہی میں کئے جاسکتے ہیں۔ مرنے کے بعد ان کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے۔

إِذَا مَاتَ ابْنُ آدَمَ انْقَطَعَ عَمَلُهُ إِلَّا مِنْ ثَلَاثٍ ، صَدَقَةٌ جَارِيَةٌ وَعِلْمٌ يُنْتَفَعُ بِهِ وَوَلَدٌ صَالِحٌ يَدْعُو لَهُ ۝

ترجمہ: ”جب انسان مر جاتا ہے تو اس کا عمل ختم ہو جاتا ہے، سوائے تین راستے کے، صدقہ جاریہ، علم نافع، دعا کرنے والی صالح اولاد۔“

یہ حدیث رسول اللہ ﷺ کو بھی شامل ہے۔ کیونکہ آپ بھی ”ابن آدم“ تھے۔ اللہ نے آپ کو بھی موت دی اور آپ رقیق اعلیٰ کو جاملے۔ لیکن معلوم ہوا کہ اس آیت میں جتنے اعمال کا ذکر ہے مثلاً گنہگاروں کا آپ مجلس میں آنا، وہاں آکر اللہ سے توبہ و استغفار کرنا اور ان کا آپ سے درخواست کرنا کہ آپ بھی ان کے لئے اللہ سے مغفرت کی دعا فرمائیں یہ سب آپ کی زندگی تک کے لئے تھا۔ اب آپ کی وفات کے بعد یہ سب احکامات ختم ہو گئے۔ کیونکہ تمام عمل خواہ وہ دعا کرنی ہو یا استغفار بات چیت ہو یا سننا یاد رکھنا۔ غرض زندوں کی تمام خصالتیں زندگی تک محدود ہیں، مرتے ہی سب ختم ہو جاتی ہیں۔

آپ ﷺ کی وفات کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے بڑے بڑے سنگین مسائل کھڑے ہوئے جن کا تقاضا تھا کہ اصحاب کرام رضی اللہ عنہم آپ کی قبر پر آتے وہاں اللہ سے استغفار کرتے پھر آپ سے بھی استغفار کی دعا کراتے۔ لیکن تاریخ صحابہ شاہد ہے کہ ایسا کسی نے نہیں کیا، کیونکہ ان کو خوب معلوم تھا کہ آپ ﷺ وفات پا چکے ہیں اور زندگی کے ان اعمال کو مرنے کے بعد نہیں کر سکیں گے۔ یہ ایسی موٹی اور عام بات ہے جسے ہر شخص بخوبی سمجھ سکتا ہے۔ اور جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے ان کے سامنے تو کتاب اللہ کی یہ آیت موجود ہے:

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ ۚ تَرْجَمُوهُمُ (اور محمد ﷺ) تو صرف (اللہ کے) پیغمبر ہیں۔ ان سے پہلے بھی بہت پیغمبر ہو گزرے ہیں۔ بھلا اگر یہ وفات پا جائیں یا شہید کئے جائیں تو تم الٹے پاؤں پھر جاؤ؟ (یعنی مرتد ہو جاؤ)۔“

اور یہ آیت: كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ۗ رسول اللہ ﷺ کی وفات میں کسی مسلمان کو شک نہیں۔ اسی لئے تمام مسلمان مسجد نبوی کی زیارت کے بعد قبر نبوی کی بھی زیارت کرتے ہیں اور آپ پر درود و سلام بھیجتے ہیں۔

یہ ہے اس آیت کا خلاصہ جس میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے زمانے کے منافقین کا حال بیان فرمایا ہے اور ان کی بابت یہ ارشاد ہے کہ یہ منافقین

رسول اللہ ﷺ کی اطاعت سے انکار و انحراف کرتے اور جب مجبور ہوتے تو رسول اللہ ﷺ کے پاس آکر معذرت و مغفرت چاہتے اللہ نے بھی ان کے حال کی رعایت کرتے ہوئے ان کی معافی کا دروازہ کھلا رکھا اور ان کی مغفرت کے لئے یہ طریقہ بتایا کہ اگر وہ رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں آکر خود بھی توبہ و استغفار کریں اور رسول اللہ ﷺ سے درخواست کریں کہ آپ ان کے لئے مغفرت کی دعا فرمادیں تو اللہ توبہ قبول کرے گا۔

بھلا اس میں مخلوقات کے توسُّل کا کہاں ذکر ہے؟ اس کا تو اس میں کہیں اشارہ تک موجود نہیں۔ جب مخلوقات کی ذاتوں سے وسیلہ لینا اس آیت سے ثابت نہیں ہوتا تو اس کے لئے اس آیت کو دلیل بنانا ہی غلط ہے۔

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ جس طرح عہد نبوی میں لوگوں نے آپ سے استغفار کی درخواست کی ہم بھی آج آپ سے درخواست کرتے ہیں۔ جس طرح آپ کی حیات میں لوگ آپ کے پاس جاتے تھے اسی طرح ہم بھی آج آپ کے پاس جاتے ہیں۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ آیت سے ثابت ہی نہیں ہوتا کہ یہ منافقین آپ کے پاس توبہ و استغفار کے لئے آئے اور آپ نے ان کی درخواست پر ان کے لئے مغفرت کی دعا کی ہو۔ آیت میں تو لفظ ’لَوْ‘ یعنی ’اگر‘ استعمال کیا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں آتے اور استغفار و توبہ کرتے اور اگر آپ سے استغفار کی دعا کے لئے درخواست کرتے اور آپ دعا فرمادیتے تو بے شک اللہ سے معافی پاتے۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا وہ رسول اللہ کی مجلس میں آئے اور استغفار کیا؟ کیا رسول اللہ ﷺ نے ان کے لئے مغفرت کی دعا کی؟ ان سوالوں کا جواب اس آیت سے نہیں ملتا۔ تو محض قیاس و تخیل پر ایک عقیدہ کی بنیاد رکھ دی گئی۔

ان حقائق کے علاوہ ہم یہ کہتے ہیں کہ اس آیت سے یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ منافقین اگر رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں آکر اللہ سے استغفار کرتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے لئے دعائے مغفرت کرتے تو اللہ ضرور انہیں بخش دیتا اور ان پر رحم کرتا، بلکہ جو بھی ایسا کرتا اس کے لئے توبہ و رحمت کا دروازہ کھلا ملتا۔ لیکن یہ سب کب ممکن ہوتا، ظاہر ہے کہ یہ سب آپ کی زندگی میں ہوتا۔ کیونکہ آپ کی مجلس میں حاضری، آپ کا دعا فرمانا، یہ سب زندگی سے تعلق رکھتا ہے۔ لیکن اب تو آپ وفات پا چکے ہیں، اب نہ آپ کی مجلس موجود ہے نہ آپ سے کلام و درخواست ممکن، نہ آپ کا دعائے مغفرت کرنا ممکن، یہ سب اعمال و افعال آپ کی زندگی تک کے لئے خاص تھے۔ وفات کے بعد انسان کے اعمال کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے۔ یہی آیت کا صحیح مطلب ہے۔ اس کے برخلاف نہ کسی صحابی نے سمجھا، نہ تابعی نے، نہ ہی طریقہ نبوی ﷺ کی اتباع کرنے والے کسی عالم ربانی نے ایسا سمجھا۔ اس لئے اس آیت سے مخلوقات کی ذات سے وسیلہ لینے پر استدلال کرنا بے محل اور بالکل غلط ہے۔ پھر اس آیت میں تو رسول اللہ ﷺ سے دعائے استغفار کرانے کا ذکر ہے۔ آپ کی ذات و شخصیت کو وسیلہ بنانے کا کہاں ذکر ہے؟ اس لئے آیت کو دلیل بنانا چاہئے رسول کی دعا کو وسیلہ بنانے پر نہ کہ رسول کی شخصیت و ذات کو۔

اور مومن کی دعا کے وسیلہ کی بابت تو ہم شروع و سبیلہ کی بحث میں تفصیل سے بیان کر سکتے ہیں کہ یہ جائز اور مشروع و مسنون ہے۔ اس میں تو کسی مسلمان کو اختلاف نہیں، لیکن آیت کے مضمون سے ہٹ کر اس سے مخلوقات کی شخصیتوں اور ذاتوں کو وسیلہ بنانے پر استدلال کرنا محض بے عقلی اور جہالت ہے۔



آیت و احادیث سے بے محل استدلال

تینوں آیات پر آپ نے غور کر لیا اس سے آپ پر یہ بات واضح ہوگئی کہ ان آیت کریمہ سے مخلوقات کی ذات کا وسیلہ لینے پر استدلال کرنا کتنا بے محل اور غلط ہے اور ان آیات کا اس موضوع سے کوئی دور کا تعلق بھی نہیں۔ لہذا ہمارے ان دوستوں کا دعویٰ خود بخود باطل اور ساقط ہو جاتا ہے۔ ان آیات کے علاوہ ۲۲ حدیثیں اور صفیہ بنت عبدالمطلب (رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی) کے مرثیہ کا ایک شعر اور امام ترمذی کا خواب اور امام شافعی کے دو واقعات بھی مخلوقات کی ذات کا وسیلہ لینے کے ثبوت میں پیش کیا ہے۔

ہم آئندہ صفحات میں تفصیل سے ان احادیث پر بحث کریں گے اور جرح و تعدیل کے اصول پر ان احادیث کی تحقیق کریں گے۔ جو احادیث ان کے اصولوں کے مطابق صحیح ثابت ہوں گی ہم انہیں بلاچوں و چرا قبول کریں گے اور جو غلط اور موضوع ثابت ہوگی ان کے اسباب و وجوہات آپ کے سامنے پیش کر دیں گے

۔ ہمارا مقصود حق کی تلاش ہے۔ ہم حق کو بلند دیکھنا چاہتے ہیں۔ حق سب پر بلند ہے، ساری عظمتیں حق پر قربان ہیں۔ اگر ایک طفل مکتب بھی حق کی آواز بلند کرے گا تو ہم اس کی تائید و مدد کریں گے اور اگر کوئی بڑی سے بڑی اور عظیم شخصیت بھی باطل کا پرچار کرے گی تو ہم اس کا مقابلہ کریں گے، اس لئے کہ حق ہی اس بات کا حق دار ہے کہ اس کی حقانیت کے آگے سر جھکایا جائے اور اس کی بھرپور تائید و مدد کی جائے۔

اللَّهُمَّ بِحَقِّ السَّائِلِينَ عَلَيْكَ

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص گھر سے نماز کے لئے نکلا اور یہ دعا پڑھی۔
 اللهم انى اسئلك بحق السائلين وبحق ممشاى هذا، فانى لم اخرج اشراً ولا بطراً ولا رياءً ولا سمعة، خرجت
 اتقاء سخطك وابتغاء مرضاتك، اسئلك ان تنقذنى من النار، وان تغفر لى ذنوبى، انه لا يغفر الذنوب الا انت وكل
 الله به سبعين الف ملك يستغفرون له واقبل الله عز وجل بوجهه حتى يفرغ من صلاته O (ابن ماجه)
 ترجمہ: ”جو شخص اپنے گھر سے نماز کے لئے گھر سے نکلے اور یہ کہے اے اللہ تجھ سے سوال کرتا ہوں، سوال کرنے والوں کے حق کے
 واسطے سے اور اپنے اس چلنے کے حق سے کیونکہ میں گھر سے نہ تکبر سے نکلا، نہ اتراتے ہوئے نہ دکھاوے کے لئے، نہ پروپیگنڈے
 کے لئے، بلکہ نکلا ہوں تیری ناراضگی سے بچنے کے لئے، اور تیری رضا کی طلب میں۔ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ مجھ کو جہنم کی آگ
 سے بچالے اور میرے گناہ معاف کر دے، تیرے سوا کوئی گناہوں کو معاف کرنے والا نہیں، تو اللہ تعالیٰ اس پر ستر ہزار فرشتوں کو
 مقرر کر دے گا جو اس کے لئے استغفار کریں گے اور اللہ عزوجل اس ک طرف متوجہ ہوگا، یہاں تک کہ وہ شخص اپنی نماز سے فارغ
 ہو جائے۔ (ابن ماجه)

یہ حدیث ضعیف ہے۔ اہل علم نے اس پر سخت کلام کیا ہے اور اس کے ضعیف ہونے پر اتفاق کیا ہے۔ اس لئے کہ اس حدیث کی سند میں ”عطیہ بن سعید
 العونی“ ہے جس کے بارے میں امام ذہبی نے فرمایا ہے کہ: ”وہ ضعیف ہے“، امام ابو حاتم کا بیان ہے کہ: ”عطیہ ضعیف حدیثیں لکھا کرتا تھا۔“ سالم المرادی کا بیان ہے
 کہ ”وہ شیعہ ہے“۔ امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ ”وہ ضعیف الحدیث ہے۔“ اور عطیہ کلبی کے پاس جایا کرتا تھا، اس سے تفسیر پڑھتا تھا اور وہ اپنی کنیت ”ابو سعید“ رکھے
 ہوئے تھا اور ابو سعید کے نام سے روایت کرتا تھا جس سے دھوکہ ہوتا تھا کہ یہ مشہور صحابی حضرت ابو سعید خدری ہے۔ امام نسائی کا بیان ہے کہ وہ ”ضعیف“ ہے۔ ابن حجر
 کا بیان ہے کہ ”وہ صدوق ہیں لیکن کثرت سے غلطی کرتے ہیں، نیز شیعہ ہیں تدلیس بھی کرتے ہیں تیسرے طبقہ میں سے ہیں سنہ ۱۱۱ھ میں ان کا انتقال ہوا۔“

یہ ہے اس حدیث کی حقیقت۔ جس کا راوی شیعہ ہو، جس کے ضعف پر محدثین و علماء رجال کا فتویٰ صادر ہو چکا ہو اس حدیث کو عقیدہ کی بحث میں حجت بنانا
 کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟

اسی حدیث کو ابو بکر السنی نے اپنی کتاب ”عمل الیوم واللیلہ“ میں لفظی تبدیلیوں کے ساتھ ایک دوسری سند سے نقل کیا ہے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے
 ”اذکار“ میں لکھا ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے۔ اس کے ایک راوی ”وازع بن نافع“ کے ضعف اور منکر الحدیث ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔ حافظ ابن حجر نے
 ”الاذکار“ کی شرح میں لکھا ہے کہ یہ حدیث کمزور ہے۔ ”دارقطنی نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔ ابن معین اور نسائی نے کہا کہ یہ ”ثقة“ نہیں ہے۔ ابو حاتم نے کہا ”یہ
 متروک ہے۔“ حاکم نے کہا ”یہ موضوع حدیثیں روایت کرتا ہے۔“ ابن عدی نے کہا۔ ”اس کی سب حدیثیں غیر محفوظ ہیں۔“ امام بخاری نے کہا ”یہ حدیث منکر
 ہے۔“ بیہقی نے مجمع الزوائد میں کہا۔ ”ضعیف اور متروک ہے۔“

معلوم ہوا کہ حدیث کے دونوں طرق میں ضعف بلکہ ایسا شدید ضعف ہے جس کی وجہ سے اس حدیث کو حجت میں پیش ہی نہیں کیا جاسکتا۔ لہذا اس حدیث
 سے مخلوقات کی ذات کا وسیلہ ثابت نہیں ہوتا۔

بعض اہل علم کا قول ہے کہ اگر یہ حدیث صحیح بھی مان لی جائے تو اس سے مخلوقات کی ذات کا وسیلہ ثابت نہیں ہوتا کیونکہ اللَّهُمَّ بِحَقِّ السَّائِلِينَ
 عَلَيْكَ ”کہنے والا اللہ کی صفت اجابت کا وسیلہ لیتا ہے۔ کیونکہ سوال کرنے والوں کا اللہ پر حق یہ ہے کہ اللہ ان کی دعائیں سن لے، جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے۔

أَدْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ ۝

”مجھ سے دعا مانگو میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔“

اور ”اجابت“ اللہ کی ایک صفت ہے اور صفات الہی کا وسیلہ اعلیٰ ترین مشروع وسیلہ ہے۔ یہاں ایک شبہ ہو سکتا ہے کہ جب ”بِحَقِّ السَّائِلِينَ عَلَيكَ“ کہنا صحیح ہو سکتا ہے تو ”بِحَقِّ نَبِيِّكَ“ یا ”بِحَقِّ فُلَانٍ“ کہنا کیوں صحیح نہیں ہو سکتا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ بحق السائلین کہنے والا خود بھی سائل ہوتا ہے اس لئے وہ اپنے حق سوال کے وسیلہ سے دعا کرتا ہے جس کا اللہ نے حکم فرمایا ہے اور وعدہ بھی۔ لیکن جو شخص ”بحق فلان“ کہتا ہے تو سائل کو ”فلاں“ کے حق سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ دوسرے لفظوں میں وہ یوں کہتا ہے کہ ”اے اللہ! چونکہ تیرا فلاں بندہ صالح ہے اس لئے میری دعا قبول فرما۔“ تو کسی اور کی صالحیت اور حق سے سائل کو کیا تعلق؟ بلکہ یہ تو ایک طرح سے دعائیں زبردستی کرنی ہے حالانکہ دعائیں تو عا جزئی اور مسکنت کی تاکید کی گئی ہے۔ ارشاد ہے:

أَدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ۝ (الاعراف: ۵۵)

ترجمہ: ”اپنے رب سے دعا مانگو عا جزئی سے اور چپکے چپکے وہ حد سے بڑھنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔“

نیز اس قسم کی دعائیں نہ تو نبی ﷺ سے منقول ہیں نہ صحابہ کرامؓ نہ تابعین اور نہ ہی ائمہ و مجتہدین میں سے کسی سے منقول ہیں۔ اور دعا افضل ترین عبادت ہے اور عبادت کی بنیاد سنت اور اتباع پر ہے نہ کہ ہوی اور بدعت پر۔

لیکن اس حدیث کی صحت فرض کرنے اور سوال و جواب کی اس لمبی بحث کو چھیڑنے کی ضرورت ہی کیا؟ جب اللہ نے ہمیں اس سے بچالیا تو خواجہ امواہ ہم اس میں کیوں پھنسیں۔ جب علمائے حدیث نے اس کے موضوع اور غیر صحیح ہونے پر اتفاق کر لیا ہے تو اس حدیث سے استدلال کرنا ہی غلط اور فضول ہے۔



حضرت آدم کا رسول اللہ ﷺ کے وسیلہ سے دعا مانگنا

دوسری حدیث

بہیقی نے اپنی کتاب ”دلائل النبوة“ میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”آدم علیہ السلام سے جب خطا سرزد ہوئی تو انہوں نے کہا:

يا رب، اسئلك بحق محمدٍ الا ما غفرت لي ۝

ترجمہ: ”میرے رب! میں حضرت محمد ﷺ کے حق سے سوال کرتا ہوں کہ تو مجھے بخش دے۔“

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ”اے آدم، تم نے محمد کو کیسے پہچان لیا؟ ابھی تو میں نے ان کو پیدا ہی نہیں کیا ہے؟ آدم نے کہا ”اے رب تو نے جب مجھے پیدا کیا اور میں نے اپنا سراٹھایا تو عرش کے پایوں پر لکھا ہوا دیکھا۔ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ جس سے میں جان لیا کہ تو اپنے نام کے ساتھ صرف اسی کا اضافہ کرتا ہے جو تیری مخلوق میں تجھے سب سے زیادہ محبوب ہو۔“ اللہ نے فرمایا تم نے سچ کہا۔ محمد میری مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب ہیں، جب تم نے ان کے حق کا واسطہ سے مجھ سے سوال کیا تو میں نے تم کو معاف کیا اور اگر محمد نہ ہوتے تو میں تم کو کبھی پیدا نہ کرتا۔“ (حاکم)

اس حدیث پر بحث کا خلاصہ:

بلاشبہ حضرت آدم علیہ السلام سے غلطی ہوئی اور اللہ نے انہیں معاف فرمایا۔ آئیے اب اس بات کی تحقیق کریں کہ حضرت آدم علیہ السلام کی خطا کس طرح معاف ہوئی؟ کیا رسول اللہ ﷺ کی ذات کو وسیلہ بنانے سے یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے توبہ کے کلمات سیکھ کر توبہ کرنے سے۔ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ پر غور کرنے سے۔ بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی خطا ان کے استغفار و توبہ کی وجہ سے معاف ہوئی ہے نہ کہ رسول اللہ ﷺ کی ذات کو وسیلہ بنانے سے۔

چنانچہ مجاہد، اور سعید بن جبیر، ابو العالیہ، ربیع بن انس، حسن، قتادہ، محمد بن کعب القرظی، خالد بن معدان، عطا الخراسانی سے روایت ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام

نے اللہ تعالیٰ سے ان کلمات کو سیکھا:

قَالَ رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا وَإِن لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۝

ترجمہ: ”ان دونوں نے کہا اے ہمارے رب ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو نے ہم کو نہ بخشا اور ہم پر رحم نہ کیا تو ہم نقصان اٹھانے والوں میں ہوں گے۔“

اور سفیان ثوری نے عبدالعزیز بن رفیع، مجاہد، عبید بن عمیر کی روایت سے بیان کیا کہ ”حضرت آدم علیہ السلام نے کہا میرے رب! میں نے جو خطا کی کیا تو نے اسے میری پیدائش سے قبل میرے اوپر نہیں لکھ دی تھی یا یہ کوئی نئی چیز ہے جسے میں نے اپنی طرف سے ایجاد کیا ہے۔“ اللہ نے فرمایا۔ ”نہیں اسے میں نے تمہاری پیدائش سے پہلے پہلے ہی تم پر لکھ دیا تھا۔“ حضرت آدم نے کہا ”جس طرح تو نے لکھا اسی طرح اسے معاف بھی کر دے۔ تب انہیں یہ دعا سکھائی گئی۔ جیسا کہ ارشاد ہے۔

فَتَلَقَىٰ آدَمُ مِنْ رَبِّهِ كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ۝

ترجمہ: ”آدم نے اپنے رب سے چند کلمات سیکھے تو اللہ نے ان کی توبہ قبول کی۔“

اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ: آدم علیہ السلام نے کہا: اے میرے رب، کیا تو نے مجھے اپنے ہاتھ سے پیدا نہیں کیا۔“ کہا گیا ”بے شک“ اور کیا تو نے میرے اندر اپنی روح نہیں پھونکی کیا گیا ”بے شک“ اور کیا تو نے میرے بارے میں یہ نہیں لکھا کہ میں ایسا کروں گا؟ کہا ”بے شک۔“ ان روایات سے ثابت ہوا کہ آدم اور حوئے نے اپنی خطا کا خود اعتراف کیا۔ اور اسی ”اعتراف گناہ“ کو وسیلہ بنا کر اللہ کی جناب میں توبہ کی۔ اللہ نے ان کی توبہ قبول فرمائی کہ وہ توبہ اور رحیم ہے۔ یہی قرآن کی شہادت ہے، احادیث سے اس کی تائید ہوتی ہے، صحابہ کرام اور سلف صالحین سب کا اسی پر اتفاق ہے۔ ہمارا بھی یہی اعتقاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم و حوئے کو توبہ کے کلمات سکھائے اور جب انہوں نے رَبَّنَا ظَلَمْنَا آلَآءِیہ والی دعا پڑھی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف فرمایا اور ان کی توبہ قبول کی۔ یہ دلیل نہایت روشن اور قوی ہے جس میں کوئی ابہام ہے نہ ضعف و شک۔

لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ والی وہ حدیث جس سے مخلوقات کے ذات کے وسیلہ پر استدلال کیا گیا ہے وہ سخت ضعیف ہے بلکہ موضوع ہے جس کی وجوہات حسب ذیل ہیں۔

۱۔ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اللہ پر مخلوق کی قسم کھانا شرک کہ مشابہ عمل ہے لہذا رسول اللہ ﷺ کی اللہ پر قسم کھانا جائز نہیں۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ مخلوق بلکہ اشرف المخلوقات ہیں۔ جب مخلوق کی قسم مخلوق پر کھانی حرام اور شرک اور غیر اللہ کی قسم کھانی ہے تو مخلوق کی قسم اللہ پر کھانی تو اور بھی زیادہ سخت جرم اور گناہ ہے، کیونکہ اس صورت میں قسم کھانے والا خالق کو اور مخلوق کو خالق کے درجہ میں کر دیتا ہے۔ اس لئے کہ قسم کھانے والا مخلوف یہ (جس کی قسم کھائی جائے) کو مخلوف علیہ (جس پر قسم کھائی جائے) پر فوقیت دیتا ہے۔ اس طرح مخلوق کو خالق پر عظمت و علو حاصل ہو جاتا ہے جو سر اسر شرک اور گناہ عظیم ہے۔

آدم علیہ السلام نبی اور رسول تھے وہ اس بات سے معصوم تھے کہ نبوت سے قبل یا نبوت کے بعد اللہ کے ساتھ شرک کرتے۔ سوچئے کہ شرک اللہ کی جناب میں سب سے بڑا گناہ ہے۔ لہذا حضرت آدم، اللہ پر رسول اللہ ﷺ کی قسم کھا کر اپنی کچھلی خطا سے بڑی خطا کو اپنی معافی اور تقریب کا ذریعہ کیسے بناتے اور کیا اللہ تعالیٰ شرک کے وسیلہ سے اپنے بندے کی خطا معاف کرتا؟ آدم علیہ السلام اور اللہ رب العالمین کے بارے میں اس کا تصور کرنا بھی گناہ ہے۔

۲۔ زیر بحث حدیث میں یہ ہے کہ ”اللہ نے حضرت آدم علیہ السلام سے پوچھا کہ تم نے حضرت محمد کو کیسے پہچان لیا جب کہ میں نے ابھی انہیں پیدا بھی نہیں کیا ہے؟“ آدم نے کہا ”میرے رب“ جب تو نے مجھے پیدا کیا اور میں نے اپنا سر عرش کے پایوں کی طرف اٹھایا تو اس پر لکھا ہوا پایا۔ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ تو اس سے میں نے سمجھ لیا کہ تو اپنے نام کے ساتھ صرف اسی کا اضافہ کرتا ہے جو تجھے تیری مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب ہے۔“

یہ مکالمہ دو وجہ سے قابل رد ہے۔ اول یہ کہ اللہ اور آدم کے درمیان کی یہ بات چیت حضرت آدم کی خطا کے بعد ہوئی ہے جب کہ اللہ تعالیٰ نے خطا سے قبل ہی آدم علیہ السلام کو تمام چیزوں کے نام بتا دیئے تھے اور انہی ناموں سے حضرت محمد ﷺ کا نام بھی تھا۔ حضرت آدم جانتے تھے کہ آپ اللہ کے نبی و رسول اور اللہ کی مخلوق میں سب سے بہتر ہیں۔ لہذا اگر کہنا ہی تھا تو حضرت آدم کو یوں کہنا چاہئے تھا کہ ”اے اللہ! جب تو نے مجھے سب نام سکھائے تو اسی وقت حضرت محمد ﷺ کا نام بھی بتا دیا

تھا کہ وہ ایسے ہیں اور ایسے ہیں۔“

دوم یہ کہ عرش کے پایوں پر لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ۔ لکھنے کا ذکر صرف اسی موضوع حدیث میں موجود ہے اس کے علاوہ کہیں نہیں ہے۔ تو بھلا ایک نبی چیز موضوع حدیث سے کیسے ثابت ہو سکتی ہے؟

۳۔ اس حدیث کا ٹکڑا ”آدم تم نے سچ کہا“ حضرت محمد مخلوق میں سب سے زیادہ مجھے محبوب ہیں۔ اور جب تم نے ان کے حق کے واسطے سے سوال کیا تو میں نے تم کو بخش دیا۔“ قیاس سے باہر ہے، کیونکہ یہ پہلے گزر چکا ہے کہ غیر اللہ کی قسم کھانی شرک ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے۔

من حلف لغير الله فقد اشرك ○

ترجمہ: ”جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی اس نے شرک کیا۔“

تو اللہ اپنے بندے آدم کو شرک کی تعلیم کیسے دے گا؟ اور پھر اسی شرک کو وسیلہ کی شکل میں قبول کر کے کس طرح بخش دے گا۔ جب کہ اللہ کا خود ارشاد ہے۔

إِنْ تَكْفُرُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ وَلَا يَرْضَىٰ لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ ○ (الزمر: ۷)

ترجمہ: ”اور کفر کرو گے تو اللہ تم سے بے پروا ہے اور وہ اپنے بندوں کے لئے کفر پسند نہیں کرتا۔“

تو جب اللہ اپنے بندوں کے لئے کفر کو پسند نہیں کرتا تو انہیں کفر سکھانا کیسے پسند کرے گا؟ سُبْحَانَ اللَّهِ؟ یہ کتنا بڑا بہتان ہے۔

۴۔ اور حدیث کا یہ ٹکڑا ”ولو لا محمد ما خلقتک“ اگر محمد نے ہوتے تو میں تم کو پیدا بھی نہ کرتا۔“ ہم اس جملہ کو کہنے سے اللہ کو پاک و بری سمجھتے

ہیں۔ حاشا وکلا یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ یہ اللہ کا فرمایا ہوا جملہ ہو، کیونکہ اللہ کا تو ارشاد ہے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ○

ترجمہ: ”میں نے جن و انس کو صرف اس لئے پیدا کیا کہ وہ میری بندگی کریں گے۔“

نیز اللہ کا ارشاد ہے۔

اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ وَمِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ يَتَنَزَّلُ الْأَمْرُ بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُو أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ○

أَنَّ اللَّهَ قَدْ أَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا ○ (الطلاق: ۱۲)

ترجمہ: ”اللہ تو ہی ہے جس نے سات آسمان پیدا کئے اور ویسی ہی زمین۔ ان میں (اللہ کے) حکم اترتے ہیں تاکہ تم لوگ جان لو کہ

اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور یہ کہ اللہ اپنے علم سے ہر چیز پر احاطہ کئے ہوئے ہے۔“

ان دونوں آیات سے معلوم ہو گیا کہ مخلوقات کی پیدائش کا مقصد اللہ عز و جل کی عبادت ہے۔ خلق اللہ میں سے کسی خاص آدمی کی پیدائش کے سبب یہ کائنات

نہیں پیدا کی گئی۔ دوسرا مقصد یہ بھی ہے کہ بندے جان لیں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے، اور زمین و آسمان کی کوئی چیز اس کے علم سے چھپی نہیں ہے۔

تو پھر لوگوں کا یہ کہنا کہ ”لو لا محمد ما خلقتک“ کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟ یہ جملہ ان آیات کے صریحاً مخالف ہے اور جو کلام کتاب و سنت کے مخالف ہو وہ

ساقط ہے۔ لہذا جس نے یہ من گھڑت روایت نقل کی اس نے اللہ اور اس کے رسول اور حضرت آدم علیہ السلام پر جھوٹ کہا، اور کسی جھوٹ اور موضوع بات کو دلیل کیسے

بنایا جا سکتا ہے۔

تجب ہے کہ اسی قسم کی من گھڑت اور جھوٹی احادیث کو لوگوں نے دین و عقیدہ کی بنیاد بنا کر رکھی ہے اور اصرار بھی ہے کہ لوگ اسے تسلیم کریں اور اسی کے

مطابق عقیدہ رکھیں اور جو ان کے اس جھوٹ کا انکار کرے اس پر اللہ اور اس کے رسول سے محبت نہ کرنے کا الزام رکھتے ہیں، یہ کتنی عجیب بات ہے کہ جو لوگ کتاب

اللہ اور سنت رسول کو مضبوط پکڑیں اور مسلمانوں کو ان دونوں کی طرف رجوع ہونے کی دعوت دین تو دشمن اللہ اور رسول ہیں اور جو اللہ اور اس کے رسول کی طرف جھوٹ

منسوب کریں اور کتاب و سنت کی عملاً مخالفت کریں وہ اللہ اور رسول کے شیدائی کہلائیں۔ کیا خوب منطق ہے؟

اس حدیث کی سند پر بحث:

اس حدیث کی سند میں عبدالرحمن بن زید بن اسلم پر محدثین نے کلام کیا ہے کہ وہ ضعیف ہیں۔ خود حاکم نے اپنی کتاب ”الضعفاء“ میں ان کو ضعیف قرار دیا ہے علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر تعجب کیا ہے کہ حاکم نے اس روایت کو کیسے نقل کر دیا جب کہ خود انہوں نے اپنی کتاب ”المدخل الی معرفة الصحیح من السقیم“ میں ذکر کیا ہے کہ عبدالرحمن بن زید بن اسلم اپنے والد سے موضوع احادیث کی روایت کرتے تھے۔ علامہ ابن تیمیہ کا بیان ہے کہ عبدالرحمن بن زید بالاتفاق ضعیف ہیں۔ کثرت سے غلطیاں کرتے ہیں۔ ان کو امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ ابو زرعہ رحمۃ اللہ علیہ ابو حاتم رحمۃ اللہ علیہ نسائی رحمۃ اللہ علیہ اور دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ سب نے ضعیف کہا ہے اور ابو حاتم بن حبان کا قول ہے کہ عبدالرحمن بے خبری میں احادیث کو الٹ پھیر کر کے بیان کرتے تھے۔ ان کی روایات میں ایسا بہت ہے کہ انہوں نے مرسل کو مرفوع بنا دیا اور موقوف کو مسند قرار دے دیا۔ لہذا ان کی مرویات کو ترک کرنے کا فیصلہ کر دیا گیا۔ نیز حاکم تنہا جب کسی حدیث کو صحیح کہیں تو اس کی کوئی قیمت نہیں؛ جب تک امام ذہبیؒ اس کی تائید نہ کر دیں؛ کیونکہ مستدرک حاکم کی صحت و ضعف پر امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے سخت اعتراضات کئے ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس حدیث کے متن، مفہوم اور سند میں سے کوئی بھی اس قابل نہیں کہ اس کا اعتبار کیا جائے اور عقیدہ جیسی بنیادی چیز میں حجت بنایا جائے۔ اب اس کے باوجود اگر کوئی شخص اسے دلیل میں پیش کرے تو ہم اس جسارت اور جرأت بے جا بلکہ احادیث سے اس کی بے خبری اور جہالت ہی پر محمول کریں گے۔



امام مالک اور ابو جعفر المنصور کا قصہ

۳۔ پچھلی حدیث کی تائید اور مخلوقات کی ذات کا وسیلہ لینے کے جواز میں امام مالکؒ اور عباسی خلیفہ ابو جعفر المنصور کا ایک قصہ بیان کیا جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ ابو جعفر نے امام مالکؒ سے پوچھا کہ میں دعا کرتے وقت قبلہ کو سامنے کروں یا رسول اللہ ﷺ کو؟

یہ سوال کئی اسباب کی بنا پر غلط ہے:

کیا المنصور اتنی بات بھی نہ جانتا تھا کہ اس کو پوچھنا پڑا؟ یا وہ محض امام مالک کے علم کا امتحان لے رہا تھا؟ اور اگر وہ جانتا تھا تو پھر اسے اس سوال کی ضرورت ہی نہ تھی۔

جہاں تک پہلی صورت کا تعلق ہے کہ المنصور کو علم نہ تھا اس لئے اس نے پوچھا ہوگا تو یہ سراسر غلط ہے۔ کیونکہ ابو جعفر المنصور اپنے وقت کا عظیم ترین عالم تھا اہل علم کا اس پر اتفاق ہے کہ ابو جعفر المنصور روایت اور درایت اور فہم اور ہر اعتبار سے علیٰ خزانوں کا مالک تھا۔ جس سال اس نے حج کیا اور حج میں امام مالک سے ملا تو اس نے امام مالک سے برملا کہا کہ ممکن ہے کہ ہم دونوں اس عصر کے سب سے بڑے عالم ہوں، لیکن مجھے عوام کی سیاست نے پھنسا رکھا ہے۔ آپ لوگوں کے لئے نرم رویہ اختیار کریں۔ عبداللہ بن عباسؓ کی رخصتوں اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم کی شدتوں سے پرہیز کریں۔ اسی لئے امام مالک کی کتاب کا نام ”الموطا“ رکھا گیا۔ ابو جعفر علم کے بلند مقام پر فائز تھا۔ اس کے بارے میں یہ سوچا بھی نہیں جاسکتا کہ وہ ایک معمولی سا سوال ایک ایسے آدمی سے کرے گا جو اس کے ہم پلہ ہو۔

ہم یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ ابو جعفر امام مالک کا امتحان لے رہا تھا؛ کیوں کہ اسے امام مالک کے علم کا اچھی طرح اندازہ تھا۔ خود اس نے امام مالک کو اپنا ہمسرہ قرار دیا تھا؛ اسے کیا ضرورت تھی کہ وہ امتحان لینے کے لئے ایسا معمولی سوال کرتا جسے ایک بچہ بھی جانتا ہے۔ معلوم ہوا کہ ابو جعفر المنصور نہ تو جاہل تھا نہ ممتحن؛ بلکہ امام مالک کے برابر کا عالم تھا؛ اسے اس سوال کی ضرورت ہی نہ تھی۔

(۲) امام مالک کا یہ مذہب ان کے ثقہ اصحاب سے ان کی کتابوں میں ثابت ہے کہ جو شخص مسجد نبوی میں دعا کرے اس کو قبلہ رخ ہو کر دعا کرنی چاہئے اور قبر نبوی کی طرف ہرگز رخ نہ کرے۔ تو جب یہ واقعہ امام مالک کے مذہب کے خلاف ہے تو وہ اپنے مذہب مشہور کے خلاف ابو جعفر المنصور کو کیسے جواب دیتے؟

(۳) رہا امام مالک کا یہ کہنا کہ ”آپ اپنا رخ قبر کی طرف کیوں پھیریں گے جب کہ رسول اللہ ﷺ قیامت کے دن آپ کے اور آپ کے باپ آدم کے وسیلہ ہیں۔ آپ قبر ہی کی طرف رخ کیجئے اور آپ سے شفاعت طلب کیجئے۔“

جہاں تک قیامت کے دن رسول اللہ ﷺ کے ہمارے لئے وسیلہ یعنی ”شفیع“ ہونے کا مسئلہ ہے تو اس میں کسی کو اختلاف نہیں۔ بلاشبہ قیامت کے دن آپ خلق اللہ کی شفاعت فرمائیں گے۔

بلکہ اختلاف تو اس بات پر ہے کہ دنیا میں مخلوقات کی ذات کو اللہ کی بارگاہ میں وسیلہ بنا سکتے ہیں یا نہیں؟ لہذا اس کا اصل موضوع سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ اور رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد آپ سے شفاعت طلب کرنا بھی صحیح نہیں، کیوں کہ شفاعت رسول اللہ ﷺ سے طلب نہیں کی جائے گی کیونکہ وفات کے بعد رسول اللہ ﷺ یہ سن ہی نہیں پاتے کہ آپ سے کون شفاعت طلب کر رہا ہے؟ اور اگر سنتے بھی تو فی الفور شفاعت نہیں فرما سکتے، کیونکہ اللہ کا ارشاد ہے۔

مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ ۝

ترجمہ: ”کون ہے جو اللہ کے پاس اس کی اجازت کے بغیر شفاعت کرے۔“

اور اللہ کی اجازت قیامت ہی کے دن ملے گی۔ اس دن اللہ آپ کے لئے ایک حد مقرر کرے گا اور آپ کو حکم ہوگا کہ ان لوگوں کی شفاعت فرمائیے۔ جس کی تفصیل شفاعت والی حدیث میں موجود ہے۔ البتہ شرعی طریقہ یہ ہے کہ مومن کو اللہ سے یوں دعا کرے ”کہ اے اللہ رسول اللہ ﷺ کو میرا شفیع بنا اور مجھے ان لوگوں میں شامل کر جنہیں تو مخصوص کرے گا اور رسول اللہ ﷺ کو ان کی شفاعت کے لئے اجازت دے گا۔“

یہ سب باتیں امام مالک کے مسلک کے عین مطابق ہیں۔ لہذا یہ عقل کے خلاف ہے کہ امام موصوف ابو جعفر المصو رکو یہ کہتے کہ تم قبر کی طرف رخ کرو اور رسول اللہ ﷺ سے شفاعت کی درخواست کرو۔

اس قصے کی سند پر بحث:

اس قصے کی سند میں ایک راوی محمد بن حمید ہے۔ جو منکر روایات نقل کرنے میں مشہور ہے۔ نیز اس کا امام مالک سے سماع بھی ثابت نہیں۔ اس طرح اس کی یہ روایت منقطع ہے۔ محمد بن حمید کے بارے میں اکثر ائمہ نے کلام کیا ہے۔ بعض نے اس کو جھوٹا بھی کہا ہے۔ امام بخاری کا بیان ہے کہ اس کی سب روایات محل نظر ہیں۔ امام نسائی کا بیان ہے کہ وہ ثقہ نہیں۔ امام جوزجانی کا بیان ہے کہ وہ ردی المذہب اور غیر ثقہ ہے۔ اسحاق بن منصور کہتے ہیں۔ کہ میں قیامت کے دن اللہ کے حضور محمد بن حمید اور عبید بن اسحاق العطار کے بارے میں گواہی دوں گا کہ یہ دونوں کذاب تھے۔

پھر اس قصے میں امام مالک کا جو قول نقل کیا گیا ہے وہ امام موصوف کے مذہب کے سراسر خلاف ہے۔ امام موسوف نے ”المبسوط“ میں فرمایا کہ جو شخص سفر سے واپس آئے یا سفر کے لئے نکل رہا ہو اس کے لئے حرج نہیں کہ قبر نبوی کے سامنے کھڑا ہو کر رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لئے دعا مانگے آپ سے کہا گیا کہ مدینہ کے کچھ لوگ نہ تو سفر سے واپس ہوتے ہیں نہ سفر کیلئے نکلتے ہوئے بلکہ یوں ہی دن میں ایک یا دو مرتبہ ایسا کرتے ہیں اور جمعہ کو اکثر اور عام دنوں میں بھی ایک یا دو مرتبہ قبر کے پاس کھڑے ہو کر سلام کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں۔ امام مالک نے جواب دیا کہ اپنے شہر کے کسی عالم سے میں نے ایسا نہیں سنا اور نہ ہی اس امت کے دور اوّل کے لوگوں کی طرف سے یہ خبر ہم تک پہنچی کہ وہ ایسا کرتے تھے۔ قبر پر آ کر سلام پڑھنا اور دعا کرنا صرف اسی کیلئے جائز ہے جو سفر سے واپس آیا ہو یا سفر کے لئے نکل رہا ہو ان کے علاوہ دوسروں کیلئے جائز نہیں ہے۔

علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ یہ سارا قصہ ہی منقطع ہے، کیونکہ محمد بن حمید نے امام مالک کو پایا ہی نہیں خصوصاً ابو جعفر کے زمانے میں۔ ابو جعفر کی وفات مکہ میں ۱۵۸ھ میں ہوئی اور امام مالک نے ۷۹ھ میں وفات پائی اور محمد بن حمید ۲۴۸ھ میں مرا اور جب وہ اپنے والد کے ساتھ اپنے شہر سے حصول علم کیلئے نکلا تو اس کی عمر بہت تھی۔ اس کے باوجود محدثین اس کو ضعیف کہتے ہیں۔

ابوزرعہ اور ابن وارہ نے اس کو کذاب کہا ہے اور صالح بن محمد الاسدی کہتے ہیں کہ وہ اللہ پر جھوٹ بولنے میں بڑا جری اور چالاک ہے۔ جیسا کہ مذکور ہوا۔ یہ قصہ امام مالک اور دوسرے ائمہ اور تمام سلف صالح کے مسلک کے خلاف ہے کیونکہ سب کا متفقہ مسلک یہی ہے کہ جب کوئی شخص آخضور پر سلام کہے اور آپ کے لئے دعا کرے تو قبر کی طرف رخ کرے اور جب اپنے لئے دعا کرے تو قبلہ رخ ہو کر کرے۔



حدیث فاطمہ بنت اسد

اللہ الذی یحی و یمیت و هو حی لا یموت اغفر لامی فاطمة بنت اسد ولقنها حجتها ووسع علیها مدخلها بحق نبیک والانبیاء الذین من قبلی فانک ارحم الرحمین O

ترجمہ: ”اللہ وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور وہ ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے کبھی مرے گا نہیں۔ میری ماں فاطمہ بنت اسد کو بخش دے اور انہیں ان کی حجت کی تلقین فرما اور ان کی قبر کو وسیع کر دے۔ اپنے نبی اور مجھ سے پہلے کے تمام انبیاء کے حق کے واسطے سے۔ تو بے شک ارحم الراحمین ہے۔“

ہم نے پچھلی بحثوں میں کتاب و سنت کے قطعی دلائل سے یہ اچھی طرح ثابت کر دیا ہے کہ مخلوقات کی ذات کا وسیلہ لینا حرام ہے اور ان کی اللہ پر قسم کھانا بھی حرام ہے اور کون مسلمان یہ جرات کر سکتا ہے۔ یہ کہنے کی کہ رسول اللہ ﷺ ہی نے تو ہمیں اس حرام وسیلے سے منع فرمایا اور آپ ہی سب سے پہلے اپنے قول کی مخالفت کریں گے؟ اور معاذ اللہ حرام وسیلے کے ذریعہ دعائیں گے؟ کوئی مسلمان بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ رسول اللہ ﷺ اپنے کلام میں ٹکراؤ کریں گے کیونکہ آپ نبی ہیں، خطا سے معصوم۔ اللہ کا ارشاد ہے۔ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۚ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ O

ترجمہ: ”اور اپنی طبیعت سے بات نہیں کرتے بلکہ وہ وحی ہوتی ہے جو آپ پر کی جاتی ہے۔“

اس منفقہ اصول کی روشنی میں یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ خود اپنی ذات کا وسیلہ اختیار کریں یا اللہ پر اپنا اور پچھلے انبیاء کا حق جتانیں جب کہ خود آپ ہی نے ہمیں یہ بتایا کہ خالق پر مخلوق کا کوئی حق نہیں۔ لہذا ممکن نہیں کہ جس بات سے آپ منع کریں اسی کو خود اختیار کریں۔ لہذا یہ حدیث فہم و درایت، اصول شریعت اور تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے لحاظ سے موضوع اور ناقابل حجت ہے۔

اس حدیث کی سند میں ایک راوی روح بن صلاح کو جمہور محدثین نے منکر اور ضعیف قرار دیا ہے۔ اس طرح متن کے علاوہ سند کے اعتبار سے بھی یہ حدیث دلیل و حجت بنانے کے قابل نہیں اور اس حدیث کو پچھلی تمام موضوع احادیث کی فہرست میں ڈال کر رد کر دینا چاہئے۔ عقائد ایمان کا جزء ہیں جن پر نجات کا مدار ہے اس لئے عقائد کے اثبات کے لئے دلائل کا بالکل قطعی اور یقینی ہونا لازمی ہے۔ منکر موضوع اور وہیات و کمزور سند والی احادیث کو عقیدہ و ایمان کے لئے دلیل و حجت بنانا ہرگز جائز نہیں۔ ایسی نام نہاد احادیث سے تو لوگوں کا عقیدہ و ایمان خراب و برباد ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حق و ناحق میں تمیز کی قوت و صلاحیت عطا کرے اور حق کو قبول کرنے اور باطل کو رد کرنے کی توفیق دے۔ آمین



اندھے کا قصہ

۵۔ حضرت عثمان بن حنیف کا بیان ہے کہ ایک نابینا شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہا۔ ”اللہ سے میری عافیت کی دعا فرمائیے۔“ آپ نے فرمایا

”تم چاہو تو دعا کر دو، لیکن صبر کرو تو بہتر ہے۔“ اندھے نے کہا ”دعا ہی فرما دیجئے۔“ تو آپ نے اس کو حکم دیا کہ اچھی طرح وضو کر کے یہ دعا پڑھو۔

اللَّهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُکَ وَاتَّوَجَّهُ اِلَیْکَ بِنَبِیِّکَ مُحَمَّدٍ نَبِیِّ الرَّحْمَةِ یَا مُحَمَّدُ اِنِّیْ اَتَّوَجَّهُ بِکَ اِلَی رَبِّیْ فِی حَاجَتِیْ لِتَقْضِیَ
اَللَّهُمَّ شَفِّعْهُ فِیَّ O

ترجمہ: ”اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں تیرے نبی حضرت محمد ﷺ کے ذریعہ جو نبی رحمت ہیں، اے محمد ﷺ متوجہ کرتا ہوں آپ کو میرے رب کی طرف میری اس حاجت میں تاکہ تو پوری کر دے، اے اللہ میرے بارے میں آپ کی شفاعت قبول فرما۔“

نابینا دعا سے فارغ ہوا اور اس کی روشنی لوٹ آئی۔

اس اندھے نے رسول اللہ ﷺ سے دعا کی درخواست کی اور اللہ سے آپ کی دعا کی قبولیت کے لئے خود بھی دعا کی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے اصرار پر خود بھی دعا فرمائی اور اس سے بھی دعا کرائی۔ اللہ نے اس کے بارے میں آپ کی دعا قبول فرمائی اور اندھا فوراً اسی مجلس میں بینا اور روشنی کا مالک ہو گیا۔ فللہ الحمد۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مومن کو اپنے دوسرے بھائی کی دعا کو بارگاہ الہی میں وسیلہ بنا سکتا ہے۔ یہ ایک مشروع کام ہے۔

اس حدیث سے کچھ لوگوں کو زبردست غلط فہمی ہو گئی ہے۔

علامہ شیخ بشیر حسن سہوانی مولف ”صیانة الانسان عن وسوسة الشیخ دحلان“ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی سند میں ایک شخص ابو جعفر ہے اگر اس سے مراد عیسیٰ بن ماہان ابو جعفر الرازی التمیمی ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر کا خیال ہے تو اکثریت اس کے ضعیف ہونے پر متفق ہے۔ اور وہ اگر ابو جعفر المدنی ہے تو وہ مجہول ہے۔

لیکن شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ نے یہ ثابت کیا ہے کہ ابو جعفر سے مراد ابو جعفر الحطمی ہے جو ثقہ ہے۔ اس طرح یہ حدیث بلاشبہ صحیح ہے۔ لیکن حدیث کے صحیح ہونے سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ اس سے مخلوقات کی ذات کا وسیلہ بھی ثابت ہوتا ہے؟ اس سے تو اٹلے اس کی تردید ہوتی ہے اور اس سے مومن کی دعا کا مشروع وسیلہ کو جواز ثابت ہوتا ہے۔

اس لئے کہ وہ نابینا شخص رسول اللہ ﷺ کی ذات کو وسیلہ نہیں بنا رہا تھا بلکہ آپ کی مقبول دعا کو وسیلہ بنا رہا تھا۔ اور رسول اللہ ﷺ کی دعا صحت ہی کی امید لے کر آیا تھا۔

(۱) اس لئے اس آتے ہی کہا ”أَدْعُ اللَّهَ أَنْ يُعَافِيَنِي“ (آپ اللہ سے دعا فرمائیے کہ مجھے عافیت دے۔)

(۲) آپ نے جواب میں فرمایا ”تم چاہو تو دعا کر دوں، لیکن صبر کرو تو بہتر ہے۔“

(۳) اندھا دعا پر اصرار کرتا ہے اور کہتا ہے ”فَادْعُهُ“ (آپ اللہ سے دعا فرمائیے)

(۴) رسول اللہ ﷺ نے اندھے وجود کا سکھائی تھی اس کے آخر میں اس نے کہا ”اللَّهُمَّ شَفِّعْهُ فِي“ اے اللہ میرے بارے میں آپ کی شفاعت

قبول فرما۔

اس حدیث کا ہر کلمہ دعا کو ثابت کر رہا ہے۔ اندھے کا دعا کی درخواست کرنا، آپ کی طرف سے دعا اور صبر میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے کی تلقین فرمانا، لیکن اندھے کا دعا پر اصرار کرنا، آپ کا اندھے کو دعا سکھانا اور خود بھی دعا فرمانا، اور اندھے کا دعا کی قبولیت کیلئے دعا کرنا۔ یہ سب باتیں اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کی ذات مبارک کا وسیلہ لینے کا کوئی تصور ہی نہیں بلکہ صرف دعا کے وسیلہ کی تکرار ہے اور دعا کا وسیلہ مشروع ہے۔ واپ نے دعا فرمائی اور اندھے نے بھی۔ اللہ نے دعا قبول فرمائی اور اندھا بینا ہو گیا۔

اگر آپ کے جاہ، حق اور ذات کا وسیلہ مقصود ہوتا تو اس اندھے کو تکلیف اٹھا کر رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں آنے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ وہ اپنے گھر میں بیٹھا بیٹھا یہ دعا کر لیتا کہ اے اللہ اپنے نبی کے جاہ و مرتبہ کے وسیلہ سے میری روشنی لوٹا دے، لیکن ایسا نہ وہ سمجھتا تھا نہ صحابہ کرام ہی اس قسم کے وسیلہ سے واقف تھے۔ نہ رسول اللہ ﷺ کو اس کی اجازت دیتے۔ نیز صحابہ کرام محدثین و ائمہ کرام میں سے کسی نے اس واقعہ سے شخصیت اور ذات نبوی ﷺ کے وسیلہ کو نہیں سمجھا۔ سب نے دعا کا وسیلہ سمجھا۔ اب جو بھائی اس حدیث کو اپنے مطلب کے مطابق استعمال کرنا چاہتے ہیں تو کسی کے چاہنے سے حدیث کا مفہوم کیسے بدل سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں فہم صحیح عطا فرمائے اور احادیث کو سمجھنے کی اسی طرح توفیق بخشے جس طرح صحابہ کرام اور ہمارے سلف صالحین سمجھتے تھے۔



حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور ایک حاجتمند کا واقعہ

۶۔ طبرانی اور بیہقی نے روایت کیا ہے کہ ایک شخص حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانے میں ان کے پاس آیا کرتا تھا، لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نہ اس کی طرف توجہ کرتے اور نہ شکایت پر کان دھرتے۔ اس شخص نے عثمان بن حنیف سے اس کی شکایت کی تو انہوں نے کہا، وضو خانے میں جا کر وضو کرو اور مسجد نبوی میں دو رکعت نماز پڑھو اور یہ دعا کرو ”اے اللہ تجھ سے تیرے نبی کے واسطے سے سوال کرتا ہوں، اے محمد ﷺ! میں آپ کو آپ کے رب کی طرف متوجہ کرتا ہوں کہ آپ میری حاجت پوری فرمادیں۔“ یہ دعا پڑھ کر اپنی حاجت کا ذکر کرنا۔

اس شخص نے ایسا ہی کیا پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان کے دروازہ پر پہنچا تو دربان اس کا ہاتھ پکڑ کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس لے گیا اور ان کے پاس بٹھا دیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا۔ ”اپنی حاجت بیان کرو۔“ اس نے بیان کی تو آپ نے پوری کر ڈالی اور فرمایا، جو بھی ضرورت ہو کہنا۔ وہ شخص وہاں سے اٹھ کر عثمان بن حنیف کے پاس گیا اور کہا اللہ آپ کو جزائے خیر دے، حضرت عثمان تو میری طرف رخ ہی نہیں کرتے تھے، لیکن آپ نے ان سے گفتگو کی تو متوجہ ہوئے۔ ابن حنیف نے کہا، واللہ میں نے تو ان سے بات تک نہیں کی، لیکن میں رسول اللہ ﷺ کے پاس موجود تھا کہ آپ کے پاس ایک اندھا آیا اور اپنے اندھے پن کی شکایت کی، پھر نابینا والی پوری حدیث بیان کی۔

تبصرہ:

اس حدیث کے الفاظ پر غور کیجئے تو پورا متن ہی الفاظ کی بناوٹ اور افکار و معانی کی سجاوٹ سے آراستہ ہے اور حقیقت و سچائی سے دور ابھی واسطہ نہیں

۔ ملاحظہ ہو:

گویا حضرت عثمان اتنے بدخلق ہیں کہ مسلمانوں کے حالات اور ان کی ضروریات سے ان کو کوئی دلچسپی نہیں۔ لوگ ان سے بار بار ملنے جاتے اور وہ ان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنا بھی پسند نہیں کرتے۔ لوگ ان کی بدخلقی اور سخت گیری سے تنگ آ کر ان کو متوجہ کرنے کے لئے رسول اللہ ﷺ کے وسیلہ سے دعا مانگتے ہیں، تب کہیں جا کر وہ سنتے اور نرم پڑتے ہیں (نعوذ باللہ من ذلک)۔

خليفة راشد امير المؤمنين (شہید مظلوم) حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ جو قرابت نبوی کے لحاظ سے ”ذوالنورین“ تھے جنہیں دربار نبوت سے ”کامل الحیاء والايمان“ کا خطاب ملا تھا۔ جو خلافت سے قبل بھی اور خلافت کے بعد بھی خلق اللہ پر شفیق تھے رفاہی کاموں میں سب سے آگے اور عوام کی خدمت میں پیش پیش رہا کرتے تھے، مسلمانوں کی ضروریات پوری کرنے کے لئے انہوں نے بے مثال یادگاریں چھوڑیں وہ اسلامی تاریخ میں ہمیشہ سنبھلے حروف میں لکھی جاتی رہیں گی۔ اور محبت و عقیدت سے پڑھی جائیں گی۔ ان کے متعلق اس قسم کی روایات کذب و افتراء نہیں تو اور کیا ہیں؟ خلیفہ ثالث کے متعلق یہ باتیں جو شخص بھی پڑھے گا وہ اس روایت کو موضوع ہی کہے گا، کیونکہ حقیقت کو حکایت سے نہیں بدلا جاسکتا۔

(۲) ہم اس سے پہلے یہ کہہ چکے ہیں کہ صحابہ کرامؓ کے زمانے میں وسیلہ اسی کو کہا جاتا تھا کہ کوئی شخص کسی بزرگ سے دعا کی درخواست کرتا اور اس کی دعا کے وسیلے سے اپنی حاجت اللہ سے طلب کرتا۔ یہ کوئی نہیں سمجھتا تھا کہ دعا کرنے والے کی شخصیت کو وسیلہ بنانا چاہئے۔

صحابی جلیل حضرت عثمان بن حنیف یہ خوب جانتے تھے کہ اس دعا کا تعلق رسول اللہ ﷺ کی حیات پاک سے تھا اور آپ کی وفات کے بعد اس دعا کا پڑھنا ممنوع اور حرام ہے، کیونکہ اس سے مخلوق کی ذات کا وسیلہ ثابت ہوتا ہے۔ جب دعا کرنے والا موجود نہیں تو دعا کی اجازت کیسے دی جاسکتی تھی۔ اس لئے کسی صحابی رسول کے بارے میں یہ سوچنا کہ انہوں نے فعل حرام کی تعلیم دی ہوگی صاف کذب و افتراء ہے جس کا صداقت و حقیقت سے کوئی واسطہ نہیں۔

نیز دعائیں سب سے اہم چیز داعی کا وجود ہے۔ چونکہ رسول اللہ ﷺ دنیا سے رحلت پا چکے اس اب ”يَا مُحَمَّدُ اِنِّي اَتَوَجَّهُ بِكَ اِلَى رَبِّي فِيهِ لِتَقْضَى حَاجَتِي“ کہنا ممکن نہیں رہا۔ دعا کے اس ٹکڑے ہی سے واضح ہو جاتا ہے کہ پورا قصہ مصنوعی ہے اور حضرت عثمان بن حنیف کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔

(۳) ایک وجہ اور بھی ہے کہ کسی مخلوق کی ذات کو وسیلہ بنانا جاہلیت کا شعار ہے جس سے اللہ نے تمام صحابہ اور اہل ایمان کو نجات دی، ان کے قلوب کو اس سے پاک و صاف کیا۔ لہذا کسی مسلمان کے بارے میں یہ تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ وہ شعار جاہلیت کی تعلیم دے گا، چہ جائیکہ کسی صحابی رسول کے بارے میں سوچا جائے

(۴) اگر یہ دعا جو آپ نے اس اندھے کو سکھائی تھی ہر زمانے میں اور ہر شخص اور ہر مرض کیلئے مفید تھی تو آج روئے زمین پر نہ کوئی اندھا موجود ہوتا نہ مریض و حاجت مند۔ کیا مسلم اور کیا غیر مسلم سب ہی اس سے فیض اٹھاتے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے تو یہی دعا ایک نابینا کو سکھائی تھی، اور حضرت عثمان بن حنیف نے یہی دعا ایک حاجتمند کو سکھائی۔ لیکن کیا حقیقت یہی ہے؟ ہرگز نہیں اس واقعہ سے تو ایک صریحی بدعت کی ترغیب دی جا رہی ہے۔ جو فعل مردود و ملعون ہے۔
غرض یہ حدیث کسی اعتبار سے بھی صحیح نہیں اس کا موضوع ہونا اظہر من الشمس ہے۔



حدیث تو سَلُّوا بِجَاهِي

۷۔ اِذَا سَأَلْتُمُ اللّٰهَ فَسَلُّوْهُ بِجَاهِيْ فَاِنَّ جَاهِيْ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ ۝

ترجمہ: ”جب تم اللہ سے سوال کرو تو میرے جاہ کے وسیلے سے سوال کرو، کیونکہ اللہ کے نزدیک میرا جاہ بڑا ہے۔“

اس روایت کو حدیث کہتے ہوئے بھی کراہت معلوم ہوتی ہے۔ ساری امت اس حدیث سے غافل ہے۔ اسے صرف وہی افراد حدیث کہہ کر بیان کرتے ہیں جو مخلوقات کی ذات کے وسیلے کے قائل ہیں اور اس پر عامل ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کے جاہ پر ہر مومن کا اعتقاد و ایمان ہے۔ ہم اپنے دل کی گہرائیوں سے اس کا قرار کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا جاہ و مرتبہ اللہ کے نزدیک آسمان وزمین کی تمام مخلوقات سے زیادہ برتر و اشرف ہے۔ اللہ رب العزت کے بعد کائنات میں علم و فضل اور جاہ و مرتبت کے لحاظ سے آپ ہی سب سے بلند و برتر ہیں۔ آپ کے جاہ و مرتبہ کا مقابلہ کوئی مخلوق نہیں کر سکتی۔

اور یہ جاہ عظیم آپ کو اللہ نے آپ کے اعمال صالحہ و دعوت الی اللہ جہادنی سمیل اللہ بے مثال بندگی، صبر و استقامت کے صلہ میں عطا فرمایا ہے۔ یہ آپ کے عمل اور سعی مشکور کا نتیجہ ہے، جس کی جزائے عظیم آپ ہی کو ملے گی اور کسی کو اس میں دخل ہے نہ حصہ۔ حتیٰ کے اپنے خاندان والوں کو بھی آپ نے صاف صاف باخبر کر دیا ہے کہ آپ لوگ اپنے عمل سے اپنی نجات کا سامان کریں۔ میں آپ لوگوں کو اللہ کے مقابلہ میں کچھ فائدہ نہ پہنچا سکوں گا اور اللہ کا ارشاد ہے۔

وَ اَنْ لِّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی وَاَنْ سَعِیْہٖ سَوْفَ یُرٰی ۝ ثُمَّ یُجْزٰءُ الْجِزَآءَ الْاَوْفٰی ۝

ترجمہ: ”اور یہ کہ انسان کے لئے وہی ہے جو اس نے کوشش کی اور اس کی یہ کوشش دیکھی جائے گی پھر اسکو پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔“

یعنی ہر انسان اپنے ہی اعمال کی جزا کا مستحق ہے۔ دوسروں کو اس سے کچھ تعلق نہیں۔ آپ کا کوئی دوست یا بھائی اگر بڑا عامل یا صالح ہے تو آپ کو یہ حق کیسے مل گیا کہ آپ اللہ سے دعا کریں کہ ”میرا فلاں بھائی بہت بزرگ اور صالح ہے اس لئے اس کے عمل کے واسطے سے مجھے بخش دے یا میری حاجت روائی فرما۔“ تو آپ خود سوچئے کہ آپ کا یہ عمل کہاں تک صحیح ہے؟ صحیح طریقہ تو یہ تھا کہ آپ بھی اپنے بھائی کی طرح اعمال صالحہ کرتے اور اپنے اعمال کا واسطہ دے کر اللہ سے جو چاہتے سوال کرتے۔

بس اسی طرح رسول اللہ ﷺ کا جاہ و مرتبہ آپ کی کتاب میں لکھ دیا گیا اور آپ کے لئے مخصوص ہے۔ ہم کو یا کسی اور کو اس سے کوئی حصہ نہیں ملنے والا۔ لہذا کسی کو بھی یہ حق نہیں کہ آپ کے اعمال کا واسطہ دے کر اللہ سے دعا مانگی جائے۔ بلکہ ہر شخص کو یہ حکم ہے کہ رسول اللہ ﷺ اتباع کرنے، تاکہ اتباع رسول کے صلہ میں اللہ اس کو بھی جاہ و مرتبہ عطا فرمائے اور اپنے اسی جاہ و مرتبہ کے وسیلے سے مومن اللہ سے دعا کرے۔

اگر رسول اللہ ﷺ کے جاہ کا مطلب کوئی شخص یہ لیتا ہے کہ آپ اپنی امت کی شفاعت فرمائیں گے تو یہ بالکل حق اور درست ہے۔ لیکن اس میں کسی امتی کوئی دخل نہیں۔ شفاعت صرف آپ کا حق ہے اور وہ بھی محض اس کے لئے جس کے لئے اللہ خاص اجازت دے اور وہ بھی اس دنیا میں نہیں بلکہ وہ مخصوص ہے قیامت کے دن کے لئے۔ لہذا اس سے یہ کسی طرح ثابت نہیں ہوتا کہ رسول اللہ ﷺ کی شفاعت کے حق کا سہارا لے کر کوئی شخص آپ کے جاہ و مرتبہ کا وسیلہ لینے لگے۔

اس پوری بحث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اس حدیث کا کوئی لفظ قول رسول نہیں اور رسول اللہ ﷺ اس سے بالکل بری ہیں۔ یہ قرآن و تعلیم نبوی ﷺ دونوں کے خلاف ہے۔ یہ آپ پر سراسر کذب و افتراء ہے۔ یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ جس چیز سے آپ منع فرمائیں اسی کی امت کو تعلیم دیں۔

اس کے علاوہ یہ ایک ایسی بے سرپر کی حدیث ہے جس کا نہ کتب حدیث میں کہیں پتہ ہے نہ نشان۔ علامہ ابن تیمیہ اس حدیث سے اپنی لاعلمی کا اظہار فرماتے ہیں کہ یہ حدیث بے نشان و بے لگام ہے جس کی نہ سند صحیح نہ متن۔

جو لوگ اس بے اصل اور موضوع حدیث کو صحیح مانتے ہیں وہ ہماری اس جرح کو پڑھ کر چراغ پا ہو جائیں گے اور شدت جذبات سے مغلوب ہو کر ہم کو تو وہی رسول کا مجرم گردانیں گے۔ ہم ایسے حضرات پر اچھی طرح واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ محبت رسول میں ہم ان سے زیادہ سخت اور جذباتی ہیں اور ہم اس شخص کو مسلمان ہی نہیں سمجھتے جو ایک نفلے کے برابر بھی تو ہیں رسول کا مرتکب ہے بلکہ ایسے شخص کا لا الہ الا اللہ بھی پڑھنا بے سود ہے۔ اس لئے کہ رسول کی کامل محبت دراصل اللہ کی محبت ہے۔ اور (معاذ اللہ) رسول اللہ سے نفرت دراصل اللہ سے نفرت کرنی ہے اور جو شخص اس درجہ پر پہنچ جائے اس کا دین و ملت سے کوئی تعلق نہیں۔

رسول اللہ ﷺ کی محبت کے بارے میں ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ وہ جان و مال اور آل و اولاد سب سے زیادہ عزیز ہونی چاہئے۔ اگر کسی کو اللہ و رسول اس کی جان و مال اور اہل و عیال سے زیادہ عزیز نہیں ہیں تو اس کا ایمان معتبر نہیں۔ لیکن محبت رسول اطاعت کے بغیر ممکن نہیں۔ اللہ کے رسول جس بات کا حکم دیں اس پر عمل کرنا اور جس سے منع کریں اس سے رک جانا ہی محبت ہے۔

ہم تمام اہل ایمان سے پوچھتے ہیں کہ کیا باطل روایات اور موضوع و منکر احادیث پر اعتقاد رکھنا ان کی اشاعت کرنا ان پر عمل کرنا بھی محبت رسول ہے؟ یا ان کی توہین! محبت کا تقاضا تو یہ ہے کہ ان کی طرف منسوب کی جانے والی تمام غلط باتوں کو رد کیا جائے اور رسول اللہ ﷺ کے نام سے مشہور کی جانے والی جھوٹی باتوں کی قلعی کھولی جائے اور لوگوں کو اس سے روکا جائے۔ آپ خود ہی فیصلہ کر لیں کہ جو لوگ شرک و بدعات کو اللہ اور اس کے رسول کا نام لے کر پھیلاتے ہیں وہ محبت کرتے ہیں یا جو ان کی تردید کر کے اللہ اور اس کے رسول کی مقدس اور بلند ذات کو بہتان و کذب سے صاف کرتے ہیں وہ سچی محبت کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ تو ان لوگوں کو مبارک باد دی ہے جو امت کے ذہنی و اعتقادی بگاڑ کی اصلاح کریں اور دین میں داخل کی گئی نئی باتوں کی تردید کر کے دین کو اصلی حالت میں رکھنے کی کوشش کریں اور سنت صحیحہ کی تعلیم و اشاعت میں مصروف ہوں۔ اللہ اور اس کے رسول کی محبت کا تقاضا ہے کہ ہم ان کی طرف منسوب کی جانے والی من گھڑت باتوں کا کھوج لگائیں اور ان کے حقیقی اقوال و احکام کو عام کریں اور دین و شریعت کو شرک و بدعت اور رسوم و خرافات سے پاک کریں۔



إِذَا أَعَيْتَكُمْ الْأُمُورُ

۸۔ ”جب مشاغل تم کو عاجز کر دیں تو قبر والوں سے مدد طلب کرو۔“

یہ جملہ پھڑھئے اور مسلمانوں میں پھیلائی گئی جہالت کا ماتم کیجئے۔ جہالت اور تعصب اور دنیا کمانے کی حرص نے لوگوں کو اس قدر اندھا اور بے عقل بنا دیا ہے کہ وہ اسلام کی بنیادی تعلیمات قرآن کی روشن آیات اور رسول اللہ ﷺ کی واضح ہدایات کا بھی مذاق اڑاتے ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول کے کلام میں تضاد نہیں۔

اول تو مردے سنتے نہیں، وہ ہمیں مدد کس طرح پہنچائیں گے؟ وہ تو خود ہماری دعاؤں کے محتاج ہیں۔ نیز اللہ کا ارشاد ہے؛

أَمَّنْ يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوءَ ۝

ترجمہ: ”(کون ہے جو بے قرار کی فریاد پوری کرتا ہے جب وہ اسے پکارتا ہے اور اس کی تکلیف دور کرتا ہے۔“

(اس آیت میں تو اللہ نے مصیبت زدہ کی فریاد سننے کی خود بشارت دی ہے جب کہ اوپر والی روایت میں مردوں سے سہارا لینے کا حکم دیا گیا ہے اللہ کا تو ارشاد ہے۔)

أَدْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ ۝

ترجمہ: ”مجھے پکارو میں تمہاری پکار سنوں گا۔“

(اور اس روایت میں قبر والوں سے مدد مانگنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اللہ کا تو ارشاد ہے۔)

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ۝

ترجمہ: ”جب میری بابت بندے آپ سے پوچھیں تو میں ان کی پکار سنتا اور قبول کرتا ہوں۔“

أَجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ ۝

ترجمہ: ”جب پکارنے والے مجھے پکارتے ہیں تو میں ان کی پکار کو سنتا اور قبول کرتا ہوں۔“

اللہ تو اپنے بندوں کو حکم دیتا ہے کہ بندے ہر حال میں اپنے مولیٰ کو پکاریں اور اس روایت میں قبر والوں سے مدد مانگنے اور سہارا لینے کا حکم ہے۔ ہر صاحب عقل سمجھ سکتا ہے کہ یہ ایک جھوٹی اور من گھڑت روایت ہے جو اسلام کی بنیادی تعلیمات سے ٹکرا رہی ہے۔



حدیث استسقاء بلال رضی اللہ عنہ بن حارث

۹۔ بہیقی اور ابن ابی شیبہ کی روایت ہے کہ ”حضرت عمر رضی اللہ کی خلافت کے زمانے میں قحط پڑا تو صحابی رسول بلال بن حارث رسول اللہ ﷺ کی قبر کے پاس آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ اپنی امت کے لئے بارش طلب کیجئے، لوگ ہلاک ہو رہے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ خواب میں ان کے پاس آئے اور ان کو بشارت دی کہ لوگوں کو جلد ہی بارش سے سیراب کر دیا جائے گا۔“

اس حدیث کے متن پر غور:

سب سے پہلے ہمیں چاہئے کہ اس حدیث کے الفاظ سے جو باتیں ثابت ہو رہی ہیں ان پر غور کر لیں اور انہیں شریعت کی میزان پر تول لیں، خود بخود معلوم ہو جائے گا کہ یہ حدیث کیسی ہے؟ اگر متن و سند دونوں اعتبار سے صحیح ثابت ہو جائے تو اس پر عمل کرنا چاہئے۔ ورنہ رد کر دینا چاہئے۔

(۱) استسقاء کسے کہتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح استسقاء کرتے تھے؟

(۲) کیا شریعت اس بات کی اجازت دیتی ہے کہ مردوں کو مخاطب کیا جائے اور زندہ لوگ مردوں سے اپنی حاجات پوری کرنے کے لئے سوال کریں؟

(۳) کیا مردے سن سکتے ہیں اور پکارنے والے کے مطلب کا جواب دے سکتے ہیں؟

(۴) کیا خواب کی بھی دین میں کوئی اصولی حیثیت ہے اور وہ کیا دلیل بن سکتے ہیں؟

(۵) اس حدیث میں جس شخص کا ذکر ہے کہ اس نے رسول اللہ ﷺ سے امت کیلئے بارش طلب کرنے کی درخواست کی تھی وہ بلال رضی اللہ عنہ بن حارث

ہیں یا نہیں؟

(۶) جب صحابی شریعت کی مخالفت کرے تو تو ان کی اس مخالف بات کی اتباع جائز ہے یا اس کو چھوڑ کر شریعت کی اتباع کی جائے؟

(۷) اگر یہ بات ثابت ہو جائے کہ بلال رضی اللہ عنہ بن حارث کا اس حدیث سے کوئی تعلق نہیں بلکہ وہ تو کوئی مجہول شخص ہے تو اس کے بعد اس کے اس عمل

کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے؟

(۸) سند کے اعتبار سے اس واقعہ کی تحقیق!

اب ہم سلسلہ وار تمام سوالات پر غور کرتے ہیں۔

۱۔ استسقاء یہ ہے کہ کسی زندہ صالح شخص سے درخواست کی جائے کہ وہ بارش کے لئے اللہ سے دعا کرے جس سے شہر اور بندگان اللہ سیراب

ہو جائیں۔ چنانچہ وہ مرد صالح دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور لوگ اس کی دعا پر آمین کہیں۔ مشروع وسیلہ کی بحث میں ہم نے مومن کی دعا کے وسیلہ کے ذکر میں رسول اللہ

ﷺ کے استسقاء اور آپ کی وفات کے بعد آپ کی امت کے استسقاء کا بیان مفصل کر چکے ہیں، وہیں یہ بحث دوبارہ دیکھ لینی چاہئے۔ صفحہ 14

یہ ہے رسول اللہ ﷺ اور آپ کی امت کے استسقاء کی پوری حقیقت۔ لیکن زیر بحث حدیث کا تو اس مسنون استسقاء سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ جیسا کہ اس

میں ذکر ہے بلال بن حارث یا کسی اور نے بارش کی دعا کے لئے کسی زندہ سے درخواست ہی نہیں کی، بلکہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی

خلافت کے زمانے میں آپ کی قبر پر جا کر آپ سے دعا کی درخواست کی ہے۔

سمجھ میں نہیں آتا کہ اللہ نے جس کو وفات دے کر اپنے پاس بلا لیا اس سے کس طرح دعا کی درخواست کی جاسکتی ہے اور کیا حقیقت میں آپ نے اس سائل

کی درخواست پر اللہ سے دعا فرمائی؟ ہرگز نہیں۔ یہ ممکن بھی نہیں۔ اس لئے کہ وفات کی وجہ سے آپ کا عمل منقطع ہو گیا اور دعا ایک عمل ہے جسے مردہ شخص نہیں کر سکتا۔ معلوم ہوا کہ آپ نے دعا نہیں فرمائی اور استسقاء کا عمل واقع نہیں ہوا، کیونکہ اس کا سب سے اہم جز ”دعا“ عمل میں آیا ہی نہیں۔

مردوں سے خطاب:

شریعت اسلامیہ میں مردوں سے بات چیت ان سے سوال اور دعا کی درخواست جائز نہیں۔ کیونکہ ان کا عمل ان کی وفات کی وجہ سے ختم ہو گیا۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے۔

اذا مات ابن ادم انقطع عمله الا من ثلاث صدقة جارية وعلم ينتفع به وولد صالح يدعوه له O
ترجمہ: ”جب انسان مر چکا تو اس کا عمل ختم ہو گیا سوائے تین طریقہ کے ’صدقہ جاریہ‘، نفع بخش علم صالح اولاد جو اس کے لئے دعا کرے۔“

لوگ نہ جانے کس طرح مردوں سے حاجات پوری کرانے کی درخواست کرتے ہیں؛ جب کہ زمین و آسمان کا خالق اللہ ہی و قیوم موجود ہے؛ اس سے سوال نہیں کرتے۔ وہ ہمیشہ زندہ رہنے والا اور سننے والا ہے۔

کیا مردے سنتے ہیں؟:

سائل اور مجیب کے درمیان ربط و اتصال کا واحد ذریعہ سماعت (سننا) ہے۔ لیکن جب صورت یہ ہو کہ سائل سوال کرے مگر جواب دینے والا سن ہی نہ سکے تو جواب کیسے دے گا۔

یہاں یہی صورت ہے کہ رسول اللہ ﷺ وفات پا کر سننے سے محروم ہو گئے، لہذا جو لوگ آپ کو پکارتے اور سوال کرتے ہیں؛ جب آپ ان کی آواز ہی نہیں سن سکتے تو جواب کیسے دیں گے؟ اللہ کا ارشاد ہے۔

إِنَّكَ لَا تَسْمَعُ الْمَوْتَىٰ O وَمَا أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُورِ O

ترجمہ: ”آپ مردوں کو سننا نہیں سکتے ﷺ اور آپ نہیں سن سکتے ان کو جو قبروں میں ہیں۔“

۴۔ خواب کی دینی حیثیت:

اور خواب اصول دین میں سے نہیں ہیں کہ وہ کسی مسئلے کی دلیل بن سکیں۔ البتہ جب رسول اللہ ﷺ کو خواب میں آپ کی بشر صورت میں دیکھا جائے تو وہ خواب حق ہے۔ اس لئے کہ شیطان آپ کی صورت کی نقل نہیں اتار سکتا۔ اگر خواب میں بلال رضی اللہ عنہ بن حارث ہی نے آپ کو دیکھا تھا تو وہ یقیناً آپ کو پہچان گئے ہوں گے کیونکہ وہ صحابی رسول تھے اور ان کو خواب میں آپ کو دیکھنا حق اور درست ہے اور آپ نے جو بشارت خواب میں دی وہ سچی ہے اور یہ خواب کا معاملہ ہے؛ اس کا قبر پر جانے اور حادثہ سے کوئی تعلق نہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا خواب میں بشارت دینا کسی دعا اور درخواست کا محتاج نہیں۔ لہذا اس واقعہ کا اس حادثہ اور مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں۔

۵۔ اس روایت میں بلال رضی اللہ عنہ بن حارث کے نام کی تحقیق نہ ہو سکی۔ دوسری روایات میں بلال کے بجائے ”صرف ایک شخص“ کا ذکر ہے اور وہ شخص مجہول اور نامعلوم ہے۔ اس لئے واقعہ اپنی روایت کے اعتبار سے بھی مشتبہ اور کمزور ہے۔

۶۔ صحابی کی شرعی حیثیت:

اگر یہ مان لیا جائے کہ اس واقعہ کا تعلق بلال رضی اللہ عنہ بن حارث ہی سے ہے تب بھی کچھ فرق نہیں پڑتا۔ اس لئے کہ انبیاء کے علاوہ کوئی معصوم نہیں صحابی ہوں یا کوئی اور خطا کا امکان سب سے ہے۔ لہذا اگر صحابی نے بھی کوئی غلطی کی بدعت کا ارتکاب کیا یا اجتہاد میں خطا ہوئی تو وہ بے شک ناقابل عمل ہے۔ نیز اجتہاد نص کے برابر تو ہے نہیں اور جب اجتہاد کے مقابلے میں نص موجود ہو تو اجتہاد کو قبول کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اور جب صحابی دیگر تمام صحابہ کرام کے خلاف اجتہاد کرے تو اس کو بھی رد کر دیا جائے گا۔

البتہ اگر کسی معاملے پر تمام صحابہ کا اجماع ہو جائے تو وہ حجت ہوگا کیونکہ اجماع دین کے اصول اربعہ میں سے ایک اصل ہے۔

ے نامعلوم شخص کا اجتہاد:

اگر استفتاء کا طالب کوئی نامعلوم شخص تھا تب تو اس کو دلیل بنانے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ تب کسی صحابی کا اجتہاد جب وہ عام صحابہ سے ہٹ کر اجتہاد کرے قابل قبول نہیں تو کسی مجہول شخص کا کیا اعتبار؟

۸۔ سند حدیث پر بحث:

حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں یہ روایت اس طرح نقل کی ہے۔

انه جاء رجل الى قبر النبي صلى الله عليه وسلم فقال كذا وكذا O

اس روایت میں بلال بن حارث کے بجائے ”رجل“ ایک شخص کا ذکر ہے۔ نہ معلوم وہ کوئی دیہاتی تھا یا کون تھا؟ اور جب بالفرض بلال بن حارث بھی ہوتے تو ان کا یہ عمل قابل قبول نہ تھا تو کسی دیہاتی مجہول شخص کا کیا شمار جو دین کے اصول و آداب سے بھی واقف نہیں۔

سیف بن عمر الضبی نے ”فتوح“ میں روایت کی ہے کہ خواب دیکھنے والے بلال بن حارث ہی ہیں۔ لیکن اس ”سیف“ کا حال یہ ہے کہ وہ محدثین کے نزدیک مجہول، ضعیف، متروک، زندیق، جیسے الفاظ سے یاد کئے جاتے ہیں۔ ان کی روایت کا کیا اعتبار؟ لہذا یہ پوری حدیث متن مفہوم اور سند کے اعتبار سے ناقابل حجت ہے۔



عباسؓ سے دعاء استسقاء کی درخواست

۱۰۔ حضرت انس سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا معمول تھا کہ جب لوگ قحط میں مبتلا ہوتے تو آپ حضرت عباس رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب سے استسقاء کے لئے دعا کی درخواست کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ”اے اللہ ہم تیرے نبی کے وسیلے سے بارش طلب کرتے تھے تو ہمیں تو سیراب کرتا تھا اور اب ہم تیرے نبی کے چچا کو وسیلہ بنا کر بارش مانگتے ہیں، تو ہمیں بارش عطا فرما۔“ تو بارش ہوا کرتی تھی۔

یہ حدیث صحیح ہے اور مشروع وسیلہ کی بحث میں مومن کی دعا کے عنوان کے تحت اس پر تفصیلی بحث ہو چکی ہے۔ یہ حدیث تو دلیل ہے اس بات کی کہ مومن کی دعا اپنے مومن بھائی کیلئے وسیلہ ہوتی ہے۔ لیکن لوگوں نے اسے نہ جانے کس طرح مخلوقات کی ذات کے لئے وسیلہ کی دلیل بنا لیا۔ اس لئے اب اس پر از سر نو غور و تحقیق کی ضرورت ہے، تا کہ معلوم ہو سکے کہ اس سے کون سی حق بات ثابت ہو رہی ہے۔

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اس بات کے لئے پابند کیا تھا کہ وہ مسلمانوں کے لئے بارش کی دعا کریں اور ان کو مقرر کرنے کی وجہ یہ بتائی کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے چچا تھے۔ اور اسی نسبی رشتہ کی بنا پر ان کو دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم پر ترجیح دی جس سے دو باتیں صاف طور پر معلوم ہو گئیں۔

اول:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد آپ کے علاوہ دوسرے سے دعا کی درخواست کی۔

دوم:

آپ نے استسقاء کی دعا کیلئے خاص طور پر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا انتخاب فرمایا۔

یہ دونوں ہی باتیں نہایت اہم اور قابل غور ہیں۔ آپ نے رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد آپ کی دعا کا وسیلہ ترک کر دیا اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو دعا کے لئے منتخب کیا جب کہ صحابہ کرام میں اس وقت ان سے افضل صحابہ جیسے خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ و حضرات عشرہ

مبشرہ موجود تھے۔

ان سوالوں کے جوابات کے لئے ضروری ہے کہ ہم اس موقع پر استسقاء کے بارے میں رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کا معمول کیا تھا؟ اس کے متعلق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک حدیث کا دہر لینا مناسب اور کافی ہوگا۔ فرماتی ہیں۔

”لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بارش کے قحط کی شکایت کی۔ آپ نے حکم فرمایا کہ ”مصلیٰ“ میں آپ کیلئے منبر رکھا جائے اور ایک دن مقرر کر کے اعلان کر دیا کہ اس دن لوگ جمع ہو جائیں۔ دھوپ نکل جانے کے بعد آپ سب کو لے کر نکلے اور منبر پر تشریف فرما ہوئے۔ پہلے اللہ کی حمد و تکبیر کی پھر فرمایا آپ لوگوں نے اپنے علاقوں میں خشکی کی شکایت کی ہے، جب کہ اللہ کا حکم ہے کہ اس سے دعا مانگو، اس کا وعدہ ہے کہ تمہاری دعا قبول کرے گا۔ پھر آپ نے یہ دعا پڑھی۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ، الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ، مَلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ اَللّٰهُمَّ ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ ، اَنْتَ الْعَلِيُّ وَنَحْنُ الْفُقَرَاءُ ، اَنْزِلْ عَلَيْنَا الْغَيْثَ ، وَاجْعَلْ مَا اَنْزَلْتَ قُوَّةً وَبَلَاغًا اِلَى حِيْنٍ ۝

ترجمہ: ”سب تعریف اللہ رب العالمین کے لئے جو بڑا مہربان بڑی رحمت والا ہے جو جزا کے دن کا مالک ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اے اللہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو غنی ہے اور ہم محتاج ہیں۔ ہم پر بارش نازل فرما اور جو کچھ نازل فرمائے اسے ایک مدت کے لئے قوت اور نفع بخش بنا۔

پھر آپ ﷺ نے دونوں ہاتھ اٹھائے اور برابر دعا کرتے رہے یہاں تک کہ آپ کے بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگی۔ پھر آپ نے لوگوں کی طرف اپنی پیٹھ پھیری اور اپنی چادر پٹٹی اور آپ ہاتھ اٹھائے ہوئے تھے پھر آپ لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور منبر سے اترے اور دو رکعت نماز پڑھائی۔

اللہ نے بدلی پیدا کی جو گرجی، چمکی پھر حکم الہی سے برسی۔ آپ ابھی مسجد تک واپس نہ لوٹے تھے کہ نالے کو چپے سیلابی شکل میں بہنے لگے۔ آپ نے لوگوں کو پناہ گاہوں کی طرف بھاگتے دیکھا تو ہنس پڑے یہاں تک کہ آپ ﷺ کے دندان مبارک چمک اٹھے اور فرمایا: اَشْهَدُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ وَاِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهُ ۝ (حاکم ابوداؤد)

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ”ایک شخص مسجد میں میں جمعہ کے دن آیا اور رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے مسجد میں خطبہ دے رہے تھے کہ وہ پکار اٹھا یا رسول اللہ مال تباہ ہو گئے راستے بند ہو گئے، آپ اللہ سے ہماری دادرسی کی دعا فرمائیے۔“ آپ نے دونوں ہاتھ اٹھائے اور فرمایا۔

اَللّٰهُمَّ اَغْنِنَا ، اَللّٰهُمَّ اَغْنِنَا اَللّٰهُمَّ اَغْنِنَا ۝

ترجمہ: ”اے اللہ ہماری فریاد سن، اے اللہ ہماری فریاد سن، اے اللہ ہماری فریاد سن۔“

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ واللہ اس وقت تک آسمان میں کوئی بدلی نہ تھی نہ کوئی بدلی کا ٹکڑا، اور ہمارے اور سلع کے درمیان کوئی گھر بھی حائل نہ تھا کہ یکا یک سلع کے پیچھے سے ایک بدلی ڈھال کی طرح نمودار ہوئی اور جب آسمان کے درمیان آگئی تو پھیل گئی اور برسنے لگی۔ واللہ! پھر تو ہم نے ایک ہفتہ تک سورج ہی نہ دیکھا۔ اگلا جمعہ آیا تو وہی شخص اسی دروازہ سے پھر داخل ہوا۔ رسول اللہ ﷺ منبر پر کھڑے خطبہ دے رہے تھے، اس نے کھڑے ہی کھڑے کہنا شروع کیا۔ ”یا رسول اللہ! مال برباد ہو گئے، راستے بند ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرمائیں کہ اللہ بارش بند فرمادے آپ ﷺ نے دونوں ہاتھ دعا کے لئے اٹھادیئے اور فرمایا۔

اَللّٰهُمَّ حَوَالِنَا وَلَا عَلَيْنَا ، اَللّٰهُمَّ عَلِ الْاَكَامِ وَالظَّرَابِ وَبُطُوْنِ الْاَوْدِيَةِ وَمَنَابِتِ الشَّجَرِ ۝

ترجمہ: ”اے اللہ ہم پر نہیں ہمارے آس پاس برسا۔ اے اللہ پہاڑوں پر، ٹیلوں پر اور وادیوں اور درختوں کے اگنے کی جگہوں پر۔“

بارش بند ہوگئی، ہم جمعہ پڑھ کر نکلے تو دھوپ چمک رہی تھی۔ (بخاری و مسلم)

ان دونوں ہی حدیثوں سے ثابت ہو گیا کہ مسلمان رسول اللہ ﷺ سے استسقاء کیلئے درخواست کرتے تھے اور آپ دعا فرمادیا کرتے تھے۔ لہذا استسقاء کی سُنّت یہ ہوئی کہ صلوة الاستسقاء کے علاوہ کسی سے دعا کی درخواست کی جائے اور وہ دعا کر دیا کرے۔

اس تفصیل کے بعد اب آپ پچھلے سوالات کی طرف رجوع کیجئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد حضرت عباسؓ سے محض اسی بنا پر دعا کی درخواست کی تھی کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات ہو چکی تھی اور استسقاء کی کوئی سنت بھی آپ ادا نہیں فرما سکتے تھے نہ استسقاء کی نماز پڑھا سکتے تھے نہ آپ سے دعا کی درخواست ممکن تھی نہ ہی آپ دعا فرما سکتے تھے۔ یہ سب باتیں آپ کی وفات کی بنا پر آپ سے ناممکن ہو گئی تھیں۔ اس لئے آپ نے دعا کی درخواست کی۔ اب رہی یہ بات کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو دعا استسقاء کے لئے منتخب فرمایا جب کہ ان کے علاوہ صحابہ میں عمل صلاح اور اسلام میں اولیت کے لحاظ سے زیادہ افضل لوگ موجود تھے مثلاً خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرات عشرہ مبشرہ وغیرہ تو اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ یہاں حضرت عمرؓ نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نسبی تعلق کو زیادہ ترجیح دی۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب رسول اللہ ﷺ کے چچا تھے اس لئے آپ نے اس خاص طور پر خیال رکھا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اپنی دعا میں بھی اسی خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا، چنانچہ جب انہوں نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے تو فرمایا۔

”اے اللہ! بلا صرف گناہ کے سبب نازل ہوتی ہے، اور وہ صرف تو بہ ہی سے دور ہوتی ہے، اور لوگوں نے مجھے تیری طرف اس لئے پیش کیا ہے کہ میرا تعلق تیرے نبی سے ہے، اور گناہوں سے رنگین یہ ہاتھ تیری جناب میں اٹھے ہوئے ہیں اور پیشانیاں تو بہ سے تیری بارگاہ میں جھکی ہوئی ہیں اے اللہ تو ہمیں بارش عطا فرما۔“

پھر موسلا دھار بارش برسی۔

دیکھئے اس دعا میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے صاف اس وجہ کو بیان کیا جس کے سبب دعا کے لئے ان کا انتخاب ہوا تھا، یعنی لمکانی من نبيك (میرا نسبی رشتہ تیرے نبی سے قائم ہے۔)

اس تفصیل سے آپ پر واضح ہو گیا ہوگا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مقصد حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی ذات کو وسیلہ بنانا تھا۔ بلکہ صرف آپ کی دعا کو وسیلہ بنانا تھا اگر ذات مقصود ہوتی تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے افضل رسول اللہ ﷺ کی ذات مبارک تھی، لیکن چونکہ اللہ کی بارگاہ میں کسی زندہ و مردہ شخص کی ذات وسیلہ نہیں بنتی، بلکہ اس کی دعا وسیلہ ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی حیات پاک میں بھی آپ کی ذات کو لوگ وسیلہ نہیں بناتے تھے، بلکہ صرف آپ کی دعا کا وسیلہ چاہتے تھے۔ ذات کا وسیلہ مقصود ہوتا تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی دعا کا سہارا لینے کی ضرورت ہی نہ پڑتی اور نہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ فرماتے کہ ”اے اللہ تیرے نبی کی زندگی میں تیرے نبی کی دعا کا وسیلہ لیتے تھے اور اب تیرے نبی کے چچا کی دعا کا وسیلہ لیتے ہیں۔ اور نہ ہی یہ فرماتے ”أُدْعُ يَا عَبَّاسُ“ (اے عباس! آپ دعا فرمائیے) بلکہ براہ راست فرماتے کہ اے اللہ تیرے نبی کی ذات کے وسیلہ سے تجھ سے بارش طلب کرتے ہیں (معاذ اللہ) لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ یا کسی اور صحابی سے اس قسم کی کوئی دعا نہ کو رہیں۔

لہذا اس حدیث سے مخلوقات کی ذات کو وسیلہ بنانے کا ثبوت پیش کرنا بالکل غلط اور حقیقت کے خلاف ہے۔ بلکہ یہ حدیث تو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ مومن کی دعا اس کے بھائی کے لئے مشروع وسیلہ ہے۔

ذرا مسلمانوں کے تعامل پر بھی نظر ڈالئے۔ لوگ جب استسقاء کے لئے نکلتے ہیں تو شہر کے سب سے صالح شخص کو نماز و دعا کے لئے آگے بڑھاتے ہیں۔ اس وقت سب ہی یہ سمجھتے ہیں کہ اس مرد صالح کی دعا کی برکت سے اللہ ہماری فریاد سنے گا، جیسا کہ عہد نبوی سے ہوتا آیا ہے۔ کسی کے ذہن میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ وہ مرد صالح کی دعا کے بجائے ان کی ذات کو وسیلہ بنا رہے ہیں۔ اگر ان کی ذات مقصود ہوتی تو کسی کو لانے اور سامنے کرنے کی ضرورت نہ تھی، بلکہ ہر شخص اپنی دعا میں یہ کہہ دیتا کہ اے اللہ فلاں کی ذات کے وسیلے سے ہمیں بارش عطا فرما۔ کسی کو بلانے، اس کی اقتداء میں نماز پڑھنے اور اس کی دعا پر آمین کہنے کی ضرورت کیا تھی؟ حالانکہ جمہور مسلمانوں کا عمل اس کے خلاف ہے، لہذا تعامل اہل اسلام سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ استسقاء کی اس حدیث کو مخلوقات کی ذات کا وسیلہ لینے کی دلیل بنانا غلط اور محض جہالت ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق دے اور ہمیں سنت سیدالانام کو مضبوطی سے پکڑنے کی سعادت بخشے۔ آمین



حدیث عام الفتن

۱۱۔ دارمی نے اپنی صحیح میں ابوالجوزاء سے روایت کی ہے کہ مدینہ منورہ کے لوگ بڑے شدید قحط میں مبتلا ہوئے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس شکایت لے کر گئے۔ آپ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ کی قبر کو دیکھو اور قبر سے آسمان تک ایک جھروکہ کھلو تا کہ آسمان اور قبر کے درمیان چھت حاصل نہ ہو۔ لوگوں نے ایسا ہی کیا تو بارش ہوئی اتنی کہ خوب سبزے آگے اونٹ چر کر اتنے موٹے ہو گئے کہ چربی بہنے لگی۔“

حدیث کے متن پر بحث:

اس حدیث کے متن پر جو شخص بھی غور کرے گا اس پر اس کے من گھڑت اور موضوع ہونے کی پوری حقیقت واضح ہو جائے گی اس حدیث کے الفاظ ہی اس کے من گھڑت اور موضوع ہونے کا ثبوت ہیں۔

(۱) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف یہ منسوب کرنا کہ انہوں نے لوگوں کو حکم دیا کہ رسول اللہ ﷺ کی قبر کے اوپر مکان کی چھت کھول دی جائے تاکہ آسمان اور قبر کے درمیان چھت کا پردہ حاصل نہ ہو یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے، کیونکہ ہر مسلمان جانتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جب وفات ہوئی تو آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کے گھر میں دفن کئے گئے تھے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی بدستور اسی کمرے میں رہتی رہیں۔ پھر یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے ہی گھر کو منہدم کر دینے اور ویرانہ بنا دینے کا حکم دیں گی اور گھر میں بلا چھت کے سکونت پذیر رہیں گی؟

(۲) اگر یہ بات صحیح ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مشورہ کے مطابق چھت بھی ہٹا دی گئی اور قبر سے آسمان تک ایک جھروکہ نکال دیا گیا تو کیا جسم مبارک کو ظاہر کرنے کیلئے قبر بھی کھول دی گئی؟ اور اس حدیث کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ ایسا کیا گیا تو بتایا جائے کہ ایسا کب کیا گیا اور کس طرح کیا گیا؟ اور اتنی اہم خبر تاریخ کے صفحات سے اب تک کیسے غائب اور مخفی رہی گئی؟

(۳) اگر جسم اطہر کو کھولتے ہی آسمان سے بارش شروع ہو جایا کرتی تھی تو رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں قحط پڑا تھا اور لوگوں کے مال و اسباب تباہ ہو رہے تھے۔ اس وقت بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم اطہر آسمان کے سامنے کھلی فضا میں موجود تھا، لیکن اس کے سبب بارش نہیں ہوئی، بلکہ رسول اللہ ﷺ کو شہر سے نکل کر میدان میں جانا پڑا اور استسقاء کیلئے نماز پڑھانی پڑی اور تضرع و عجزی کے ساتھ دعا مانگنی پڑی پھر کہیں آپ کی نماز و دعا کی برکت سے بارش ہوئی۔

(۴) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو جب بارش کا یہ نسخہ معلوم تھا تو قحط پڑنے پر فوراً ہی کیوں نہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہلوادیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی قحط کی اس سختی و شدت میں عوام کو خواہ مخواہ بتلا رکھا؟ قحط پڑتے ہی کیوں نہ قبر سے جسم اطہر کو جھروکے کے ذریعہ کھلی فضا کے سامنے کر دیا؟ آخر کیا وجہ تھی کہ انہوں نے اس نسخہ کو استعمال نہیں کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح خود بھی لوگوں کو لے کر میدان میں پہنچے اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے دعا کرائی، تب کہیں جا کر بارش ہوئی۔

(۵) جب رسول اللہ ﷺ کی قبر سے آسمان تک روشن دان کھول دیا گیا ہوگا تو بارش آنے کے بعد قبر میں بھی پانی آیا ہوگا اور حجرے میں بھی۔ اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہاں رہی ہوں گی؟

(۶) صحیح روایات کے مطابق جب دیہاتی مسجد نبوی میں داخل ہوا اور رسول اللہ ﷺ منبر پر کھڑے جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے اور دیہاتی نے شدید قحط سالی اور اس کے سبب مال و اسباب کی بربادی کی شکایت کی تو آپ نے فوراً دعا کے لئے ہاتھ اٹھادیئے اور دیکھتے ہی دیکھتے موسلا دھار بارش شروع ہوگئی جو ہفتہ بھر جاری رہی یہاں تک کہ دوسرے جمعہ کو پھر وہی دیہاتی ٹھیک اسی وقت جب کہ آپ منبر پر کھڑے خطبہ دے رہے تھے، مسجد میں آیا اور بارش کا کثرت کا رونا رو کر فریاد کی کہ سیلاب سے راستے بند ہو گئے ہیں۔ آپ بارش بند ہونے کی دعا فرمائیں۔ آپ نے دعا کے لئے ہاتھ وٹھائے، بارش تھم گئی اور سورج چمکنے لگا۔

یہ سب کچھ اس حالت میں ہوا جب آپ کا جسم اطہر مسجد کی چھت کے نیچے چھپا ہوا تھا۔ اس کے باوجود اللہ نے محض آپ کی دعا کی برکت سے بارش نازل بھی فرمائی اور روک بھی دی۔ اگر جسم اطہر کے فضا میں کھلتے ہی بارش ہونے لگتی تو آپ منبر پر کھڑے ہو کر یہ دعا نہ فرماتے بلکہ صحن مسجد میں آکر کھڑے ہو جاتے اور بارش ہوگئی ہوتی۔ لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا۔ کیا خود ساقی کوثر ہی کو یہ نسخہ معلوم نہ تھا؟

(۷) پھر جب ایسا ہی تھا تو قبر شریف کو ہمیشہ کھلی رکھنا چاہئے تھا۔ اس کو گنبد خضراء سے ڈھانکنے اور چھپانے کی کیا ضرورت تھی؟ تاکہ جب کبھی ضرورت پڑتی خود بخود بارش ہو جاتی اور حجاز کیلئے تو اور بھی اس کی ضرورت تھی، کیونکہ اس کے موسم پر خشکی غالب ہے اور وہ علاقہ دوسروں کی بہ نسبت پانی کا زیادہ محتاج ہے۔

(۸) اس حدیث سے واضح ہو رہا ہے کہ بارش کی کثرت سے خوب سبزہ اگا اور اونٹ چر کر اتنے فرہہ ہو گئے کہ ان کی چربی بہہ پڑی اور اسی لئے اس سال کو عام القیق کا نام دے دیا گیا۔

لیکن سوچئے کہ اس وقت لوگوں کے پاس صرف اونٹ ہی تو نہیں ہوں گے بلکہ اونٹ کے علاوہ بکریاں، گائے اور گھوڑے وغیرہ بھی رہے ہوں گے، لیکن یہاں ذکر صرف اونٹوں ہی کا ہے۔ ممکن ہے اختصار کے خیال سے صرف اونٹ کے ذکر پر اکتفا کیا گیا ہو اور مراد سب ہی جانور ہوں کہ جز، کہہ کر کھل بھی سمجھا جاتا ہے۔ لیکن اگر مراد سب ہی جانور ہوں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ سال مکمل بربادی اور تباہی کا تھا اور اس بارش نے تمام جانوروں کو خراب اور نا کارہ بنا ڈالا اور بجائے رحمت کے یہ عذاب ہی کا باعث بنی۔

اس حدیث کی سند پر بحث:

شیخ دحلان نے اپنی کتاب ”الدررا السننیة فی رد علی الوہابیة“ میں اس حدیث کو اس ثبوت میں نقل کیا ہے کہ مخلوقات کی ذات اور خصوصاً رسول اللہ ﷺ کی ذات کا وسیلہ جائز ہے۔

شیخ دحلان کا جواب علامہ بشیر سہوانی رحمۃ اللہ علیہ نے ”صیانتہ الانسان عن وسوسۃ الشیخ دحلان“ خوب خوب دیا ہے۔ علامہ مرحوم نے فرمایا کہ مذکورہ حدیث مسند دارمی کی ہے اور دارمی کی حدیثوں کو صحیح کہنا صحیح نہیں۔ اس بارے میں علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ کا بیان ہے کہ کسی معتمد شخص نے مسند دارمی کی حدیثوں کو صحیح نہیں کہا ہے تو اس کی صحت کے بارے میں کسی غیر معتمد شخص کا بیان کیسے معتبر مانا جا سکتا ہے۔

۲۔ علامہ عراقی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان کہ مسند دارمی میں مرسل معضل، منقطع، مقطوع حدیثیں بہت ہیں۔

۳۔ اس حدیث کی سند میں ایک راوی محمد بن فضل سدوسی ابو النعمان البصری ہے جس کے بارے میں حافظ ابن حجر نے ”تقریب“ میں کہا ہے کہ اس کا لقب عام تھا جو آخر عمر میں نسیان اور خلل دماغ کا شکار ہو گیا تھا۔ اس کے بارے میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا بیان بھی یہی ہے۔

اسی حدیث کے راوی سعید بن زید، عمر بن مالک النکری اور ابو الجوزاء اوس بن عبد اللہ وغیرہ کے بارے میں بھی اسی قسم کی رائیں اجلہ محدثین نے دی ہیں۔

۴۔ یہ حدیث موقوف ہے لہذا محققین کے نزدیک یہ حجت نہیں۔

۵۔ یہ حدیث حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے تکرار ہی ہے جسے محمد بن اسحاق نے اپنی مغازی میں خالد بن دینار عن ابی العالیہ کی روایت سے نقل کیا ہے کہ۔ ”جب ہم نے ”تستر“ فتح کیا تو ہرمزان کے خزانے میں ہمیں ایک چارپائی ملی، جس پر ایک لاش تھی اور لاش کے سر اپنے ایک مصحف رکھا تھا۔ ہم نے مصحف اٹھا کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے حضرت کعب رضی اللہ عنہ کو بلوایا اور اس نسخے کو عربی میں لکھوایا۔ ابو العالیہ کا بیان ہے کہ سب سے پہلا شخص میں تھا جس نے اس مصحف کو بالکل قرآن کی طرح پڑھ دیا۔ ابو العالیہ سے پوچھا گیا کہ اس مصحف میں کیا تھا تو کہا تمہاری سیرت، تمہارے حالات، تمہاری بات چیت اور پیشین گوئیاں۔ میں نے پوچھا اس لاش کو کیا کیا؟ کہا ہم نے دن میں تیرہ جدا جدا قبریں کھودیں اور رات میں ایک قبر کے اندر لاش کو دفن کر دیا اور تمام قبروں کو ایک جیسی بنا دیا تاکہ لوگ پہچان نہ سکیں اور لاش کو کھودنے کا خطرہ ختم ہو جائے۔

میں نے پوچھا: لوگ اس لاش سے کیا چاہتے تھے؟ کہا جب بارش رک جاتی تو لوگ اس چارپائی کو باہر نکالتے اور بارش ہوا کرتی تھی۔ میں نے پوچھا یہ کس کی لاش تھی؟ کہا دانیال علیہ السلام کی۔ میں نے پوچھا کتنے دن سے ان کو مرا ہوا پایا۔؟ کہا تین سو سال سے۔ میں نے پوچھا پھر لاش کچھ بدلی نہیں؟ کہا صرف گدی کے چند بال خراب ہوئے تھے۔ کیونکہ انبیاء کرام کے گوشت کو نہ زمین کھاتی نہ درندے۔“

اس پورے قصے پر غور کیجئے کہ اصحاب کرام نے اس لاش کو کس طرح عوام کی نگاہ سے بچا کر دفن کر دیا تاکہ لوگ فتنے کا شکار نہ ہوں۔ انتہی۔

آپ نے اس تفصیل سے ملاحظہ کر لیا کہ یہ حدیث سند اور متن ہر اعتبار سے ناقابل حجت و دلیل ہے۔ اس سے مخلوقات کی ذات کو وسیلہ بنانے کا دعویٰ کرنا

کتنا غلط اور بے محل ہے۔ بلکہ لٹے اس سے ان کے دعویٰ کا باطل ہونا ثابت ہو رہا ہے۔



حدیث تو سئل الاعرابی

۱۲۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو دفن کر دینے کے تین دن بعد ایک دیہاتی ہمارے پاس آیا اور رسول اللہ ﷺ کی قبر پر گر پڑا اور قبر کی مٹی اپنے سر پر ڈالنے لگا اور کہا: یا رسول اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم نے آپ ﷺ کا ارشاد سنا، آپ نے اللہ سے سنا اور قبول کیا، ہم نے آپ ﷺ سے سنا اور قبول کیا۔ اللہ تعالیٰ نے جو کلام آپ ﷺ پر نازل فرمایا اس کا ایک حصہ یہ بھی ہے۔

وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا ۝

(النساء: ۶۴)

ترجمہ: ”اور یہ لوگ جب اپنے حق میں ظلم کر بیٹھتے تھے، اگر تمہارے پاس آتے اور اللہ سے بخشش مانگتے اور اللہ کا رسول بھی ان کے لئے بخشش طلب کرتے تو اللہ کو معاف کرنے والا مہربان پاتے۔“

اور میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا اور آپ کے پاس آیا ہوں کہ آپ میرے لئے مغفرت طلب فرمائیں قبر سے آواز آئی ”اللہ نے تم کو بخش دیا۔“ اس حدیث کا غیر یقینی ہونا تو خود اس کے متن سے ظاہر ہے، سند کی بحث تو چھوڑیے اور اس میں بعض ایسی باتیں ہیں جن کی وجہ سے اس حدیث کے موضوع ہونے میں کسی مسلمان کو بھی شک نہ ہوگا مثلاً:

(۱) یہ تو سب کو معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ وفات کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں دفن کئے گئے، اور جیسا کہ اس حدیث میں مذکور ہے کہ وہ دیہاتی آیا اور اس نے قبر پر وہ مذکورہ حرکتیں کیں تو سوچئے کہ اس نے حجرہ میں داخلہ کی اجازت کب لی؟ اجازت کا ذکر تو اس حدیث میں ہے نہیں۔ اگر فرض کر لیجئے کہ اس نے اجازت لے لی تب بھی عقل یہ تسلیم نہیں کرتی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی موجودگی میں وہ قبر پر گر پڑتا اور قبر کی مٹی سر پر پھینکتا اور حضرت سیدہ اسے نہ روکتیں۔

(۲) یہ حدیث حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ آپ نے ایک دیہاتی کا قصہ بیان فرمایا۔ معلوم نہیں خود دیکھا یا کسی سے سن کر بیان کیا۔ اگر کسی سے سن کر بیان کیا تو اس شخص کا نام روایتوں میں ملنا چاہئے، جس کا کوئی ذکر نہیں، گر خود دیکھ کر بیان کیا تو عقل باور نہیں کرتی کہ آپ نے ایسا غیر شرعی عمل اپنی آنکھ سے دیکھا ہو اور اس کی روک ٹوک نہ کی ہو، جب کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں ایسا سوچا بھی نہیں جاسکتا۔ نیز اسی سند میں ابوصادق کا نام آتا ہے، جب کہ ابوصادق کا سماع حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ثابت ہی نہیں ہے۔

(۳) اس حدیث میں دیہاتی کا یہ بیان کہ: اے اللہ کے رسول آپ نے فرمایا ہم نے سنا۔ آپ نے اللہ کی طرف سے یاد کیا ہم نے آپ کی طرف سے یاد کیا۔“ جس سے ظاہر ہو رہا ہے کہ دیہاتی نے رسول اللہ ﷺ سے خود سنا ہے۔ آپ سے سننے اور سمجھنے والا شخص سمجھدار اور صاحب بصیرت ہوگا۔ لہذا جس صحابی کی یہ شان ہو کہ وہ بالبصیرت اور دانہ ہو وہ اس جاہلی حرکت کا مرتکب ہوگا کہ قبر پر لیٹنے لگے اور قبر کی مٹی اپنے سر پر اڑانے لگے، جس فعل سے کہ آپ نے صراحت کے ساتھ منع فرمایا۔

دیہاتی نے قرآن کی یہ آیت وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُواْ - کی تلاوت کی، جس سے استدلال اس موقع پر بالکل بے محل ہے، کیونکہ اس آیت کا تعلق آپ کی زندگی سے تھا نہ آپ کی وفات کے بعد سے۔ جب تک آپ حیات تھے آپ کی دعائیں قبول ہوتی تھیں۔ آپ مستجاب الدعوات بھی تھے۔ جس کے لئے دعا فرمادیتے قبول ہو جاتی تھی۔ لیکن وفات کے بعد دعا کرنا اور آپ سے دعا کی درخواست کرنا سب محال ہے، کیونکہ موت کی وجہ سے آپ کے عمل کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ اب آپ قیامت تک اپنی قبر میں آرام فرمائیں اور آپ پر موت کے سارے احکامات نافذ ہیں۔ اب آپ کی نذبان ہل سکتی ہے نہ جسم اور قیامت تک عمل و حرکت سے مجبور و بے خبر ہیں۔ آپ کا ارشاد ہے۔

اِذْ مَاتَ ابْنُ اٰدَمَ اِنْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ اِلَّا مِنْ ثَلَاثٍ ، صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ وَاَعْلَمٍ يُنْتَفَعُ بِهٖ وَاَوْلَادٍ صَالِحٍ يَدْعُوْهُ ۝
ترجمہ: ”جب انسان مرچکا تو تین راستوں کے علاوہ اس کے باقی تمام اعمال منقطع ہو گئے، صدقہ جاریہ، نفع دینے والا علم اور وہ نیک اولاد جو اس کے لئے دعا کرے۔“

رہی حیات برزخی تو یہ ایک ایسی زندگی ہے جس کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں اور اس کا دنیا کی زندگی سے کچھ تعلق نہیں، بلکہ وہ ایک مستقل زندگی ہے جس کی حقیقت کا ہمیں علم نہیں، لیکن ہم اس پر دل سے ایمان رکھتے ہیں۔ اور مردوں اور زندوں کے درمیان برزخ ایک حد فاصل ہے، ایک حجاب اور روک ہے جس کی بنا پر دونوں کا اتصال خواہ وہ ذاتی ہو یا صفاتی، کسی طرح کا بھی ممکن نہیں۔ اللہ کا ارشاد ہے۔

وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرَزَخٌ اِلٰى يَوْمٍ يُبْعَثُوْنَ ۝ (المومنون)

ترجمہ: ”اور ان کے پیچھے برزخ ہے جہاں وہ اس دن تک رہیں گے جب تک کہ دوبارہ اٹھائے جائیں۔“

برزخ اس کو کہتے ہیں جو دو چیزوں کے درمیان حائل ہو اور دونوں کو ملنے سے روک رکھے۔

اس کے علاوہ اللہ کا ارشاد ہے۔

اِنَّكَ لَا تَسْمِعُ الْمَوْتٰى ۝ (النحل)

ترجمہ: ”بے شک آپ مردوں کو بات نہیں سنا سکتے۔“

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَمَا اَنْتَ بِمَسْمُوعٍ مِّنْ فِى الْقُبُوْرِ ۝ (فاطر)

ترجمہ: ”اور تم ان کو جو قبروں میں ہیں نہیں سنا سکتے۔“

اور جب اللہ نے آپ کو وفات دے دی تو آپ بھی مردوں میں شامل ہو گئے۔ لہذا آپ بھی دنیا والوں میں سے کسی کی پکار کو نہیں سن سکتے۔ اگرچہ یہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ انبیاء کا جسم اطہر خاک میں مل کر خاک نہیں ہوتا، لیکن ان کا جسم مردہ اور بلا روح ہوتا ہے۔ جسم کا فنا نہ ہونا اور بات ہے، لیکن موت حقیقی کے واقع ہونے میں ذرا بھی شک نہیں۔ اور میت کے لیے ممکن نہیں کہ وہ زندوں کی آواز سن سکے اور جب سننا ممکن نہیں تو جواب دینا بھی ممکن نہیں۔ لہذا آپ جب استغفار کی درخواست سن نہیں سکتے تو استغفار کیسے کر سکتے ہیں؟

اس تفصیل سے ہر کوئی سمجھ سکتا ہے کہ اعرابی کا رسول اللہ ﷺ سے استغفار کی درخواست کرنا عبث اور بے فائدہ ہے۔

آخر کیا حرج تھا اگر وہ خود اللہ کی طرف متوجہ ہوتا اور اپنے گناہوں سے تائب ہوتا اور اللہ سے مغفرت کا طالب ہوتا؟ یا زندہ لوگوں میں سے کسی صالح بزرگ کو منتخب کرتا اور ان سے درخواست کرتا کہ وہ اس کے لئے دعا فرمائیں جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد آپ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے دعا استسقاء کی درخواست کی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کی قبر پر یا کہیں سے آپ کو دعا استسقاء کے لئے نہیں پکارا، اگر یہ فعل جائز ہوتا تو رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو ہرگز دعا کیلئے نہ کہتے۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایسا محض اس لئے نہیں کیا کہ وہ جانتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ دنیا سے وفات پا چکے ہیں اور اب پکارے جانے کے مستحق نہیں ہیں اور نہ ہی آپ دعا وغیرہ کر سکتے ہیں۔

پھر اس آیت کا اس واقعہ سے کوئی تعلق بھی نہیں۔ یہ آیت تو منافقین کے بارے میں نازل ہوئی جو لوگوں کو اتباع رسول سے روکتے تھے، اور طاغوت کو حکم بناتے تھے اور جب کسی معاملے میں مجبور پڑ جاتے تھے تو رسول اللہ ﷺ کے پاس آتے اور قسم کھا کر معذرت کرتے تھے کہ ہم دوسروں کے پاس محض ان کی دلجوئی کے لئے گئے تھے ورنہ ہمارا ان پر ایمان و اعتقاد نہیں۔ لہذا یہ منافقین جب آپ کی مجلس میں آکر اللہ سے استغفار کرتے اور آپ سے بھی استغفار کی درخواست کرتے تو اللہ ان کو بخش دیتا۔ ان کی اسی عادت کی طرف اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا کہ اگر یہ منافقین آتے اور استغفار کرتے تو اللہ کو تواب و رحیم پاتے۔ لیکن یہ بد نصیب آئے ہی

نہیں نہ ہی استغفار کیا نہ رسول نے ان کے لئے استغفار کیا۔

لہذا اعرابی کے واقعہ سے اس آیت کا کوئی تعلق نہیں۔ یہ واقعہ محض گمراہی اور فساد کے لئے خاص طور پر گڑھا گیا ہے۔ لیکن اللہ کے واضح ارشادات کے ہوتے ہوئے ان موضوع احادیث کا اثر دین پر کچھ نہیں پڑتا۔

۵۔ اس حدیث کا یہ ٹکڑا کہ ”فَنُودِيَ مِنَ الْقَبْرِ اِنَّهُ غَفْرَانِك“ (قبر سے آواز دی گئی کہ اللہ نے تم کو بخش دیا) اس ذہن کی ترجمانی کر رہا ہے جو ہر قسم کے وسیلہ کو حق اور مشروع سمجھتا ہے چاہے اس سے دین کی بنیاد ہی کیوں نہ بل جاتی ہو۔

دین سے ناواقف سیدھے سادھے عوام جس اس واقعہ کو سنیں گے تو انہیں اپنی مغفرت کے لئے یہ آسان نسخہ معلوم ہوگا اور اس دیہاتی کی طرح وہ بھی اس کی نقل کرنے کی کوشش کریں گے جیسا کہ آج عملاً اس کا رواج ہو چکا ہے۔ ناخواندہ تو کیا بڑے بڑے پڑھے لکھے لوگ اس جہالت و ضلالت کا شکار ہیں۔ فالعیاذ باللہ اس آخری ٹکڑے سے لوگ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ معاذ اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں اور بات کرنے والوں کی باتوں کو سنتیں ہیں اور ان کا جواب بھی دیتے ہیں اور آپ کا جواب قبر سے سنا بھی جاتا ہے۔

اس واقعہ کو اگر صحیح مان لیا جائے تو قرآن مجید کا یہ دعویٰ غلط ثابت ہوتا ہے کہ ”مردے نہ سنتے نہ جواب دیتے ہیں۔“ اس واقعہ میں اللہ پر زبردستی قسم کھائی گئی ہے کہ اس نے فلاں کو بخش دیا جب کہ یہ ایک غیبی امر ہے جس کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنی کتاب میں خبر دی ہے کہ ”ہر نفس کو موت کا مزا چکھنا ہے۔“ كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ۔ نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ”وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ“ اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں آپ سے پہلے بھی رسول ہو گزرے ہیں۔ ”نیز فرمایا ”اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّ اِنَّهُمْ مَيِّتُونَ“ بے شک آپ بھی مرنے والے ہیں اور سب لوگ بھی مرنے والے ہیں۔“

ان تمام آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ بھی اسی طرح انتقال کر گئے جس طرح آپ سے قبل دوسرے انبیاء کرام نے انتقال فرمایا۔ اور موت کی وجہ سے جس کا سلسلہ ختم ہو جائے اس کا عمل بھی ختم ہو جاتا ہے۔ کیونکہ آپ بھی بشر تھے۔ لہذا مرنے کے بعد آپ نہ سن سکتے نہ بول سکتے اور نہ اب اس دنیا سے آپ کا کسی قسم کا تعلق قائم ہے۔ اگر دنیا سے آپ کا تعلق ممکن ہوتا تو سب سے پہلے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ کرام اور بعد والوں سے قائم ہوا ہوتا، کیونکہ آپ کے بعد جو حادثات رونما ہوئے اس کے پیش نظر آپ سے تعلق قائم کرنا ضروری تھا۔ لیکن اس تعلق کا تاریخ میں کہیں نام و نشان نہیں ملتا کیونکہ تمام صحابہ کرام یقینی طور پر جانتے تھے کہ آپ وفات پا کر ہم سے بالکل بے تعلق ہو چکے ہیں اور قیامت تک دنیا میں آپ سے ربط و تعلق ممکن نہیں۔ اس صورت میں دیہاتی کا یہ عمل ناقابل فہم ہے۔

قرآن نے تو صاف واضح کر دیا ہے کہ مردے نہ سنتے ہیں نہ بولتے ہیں۔ اور وہ دوسری دنیا میں جہاں اس دنیا کا کوئی ربط نہیں۔ ارشاد ہے۔ ”وَمَنْ وَّرَّآئِهِمْ بَرَزَخُ اِلَى يَوْمٍ يُبْعَثُونَ“ اور قبر بھی ایک برزخ ہے جس کے حالات سے ہم بے خبر ہیں وہاں سے اس دنیا کا کوئی ربط نہیں لہذا اس اعرابی کو کس طرح قبر سے جواب مل گیا اور اس کو مغفرت کی بشارت ہو گئی، عقل سے بعید اور حقیقت کے خلاف ہے۔

اس کے سوا اور کوئی نہیں کہ یہ سارا قصہ من گھڑت ہے اور رسول اللہ ﷺ کی طرف غلط منسوب ہے۔ لہذا اس کی روایت کرنے والوں کو بھی خوف کھانا چاہئے کہ جو لوگ رسول اللہ ﷺ کی طرف جھوٹی بات منسوب کریں گے ان کا مقام جہنم ہوگا۔ (اعاذنا اللہ منہ)

اس حدیث کی سند پر بحث:

”الصارم المکنی“ میں ہے یہ حدیث منکر اور موضوع ہے۔ یہ گھڑی ہوئی بناوٹی خبر ہے اس پر اعتماد صحیح نہیں۔ اس کی سند پر تاریکی کی تہہ بہ تہہ پردے پڑے ہوئے ہیں۔

اس کے راوی ہیشم بن عدی کی بابت یحییٰ بن منیر کا کہنا ہے کہ ہیشم بن عدی کوئی کذاب تھا۔ ابوداؤد نے بھی کہا وہ کذاب ہے ابو حاتم رازی، نسائی اور زدی کا کہنا ہے کہ وہ متروک الحدیث ہے۔ امام بخاری کا بیان ہے کہ لوگوں نے اس کو چھوڑ دیا ہے۔ ہیشم کی لوٹڈی کا بیان ہے کہ میرا مالک رات بھر تو نماز پڑھتا تھا اور دن کو

مجلس میں بیٹھ کر جھوٹ بولتا تھا۔

اس حدیث کے متن سن کر تعلق و تحقیق اور مفہوم سب کا جائزہ آپ نے لے لیا۔ آپ پر واضح ہو چکا کہ یہ ہر اعتبار سے ناقابل حجت ہے۔ اس سلسلے کی دوسری روایات کا جائزہ بھی لے لیں، تاکہ سب کی حقیقت واضح ہو جائے۔



حدیث العتبی

دوسری روایت حدیث ”العتبی“ کے نام سے مشہور ہے جو ابو منصور الصباغ کی کتاب ”الشامل“ میں بلا سند بیان کی گئی ہے جس کا متن یہ ہے۔
كنت جالسا عند قبر النبي صلى الله عليه وسلم فجاء اعرابي فقال السلام عليك يا رسول الله سمعت الله يقول (ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جاءوك فاستغفروا الله واستغفر لهم الرسول لوجدوا الله توابا رحيمًا) وقد جفتك مستغفراً لذنبى مستشفعاً بك الى ربى ثم انشأ يقول O

ترجمہ: ”میں نبی ﷺ کی قبر کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک دیہاتی آیا اور کہا ”السلام علیک یا رسول اللہ“ میں نے اللہ کا یہ ارشاد سنا ہے کہ جب اپنے نفسوں پر ظلم کر بیٹھتے تو آپ کے پاس آجاتے اور اللہ سے معافی مانگتے اور رسول بھی ان کے لئے معافی کی درخواست کرتا تو یقیناً اللہ کو بخشنے والا رحم کرنے والا پاتے“ اور اب میں آپ کے پاس اپنے گناہوں کی بخشش کے لئے آیا ہوں، آپ کے ذریعہ اپنے رب سے شفاعت کا طالب ہوں۔ پھر وہ یہ اشعار پڑھنے لگا۔“

يا خبير من دفنت فى القاع اعظمه فطاب من طيهن القاع والاکرم

نفسى الفداء لقبر انت ساكنه فيه العفاف وفيه الجود والکرم

اے بہترین شخص جس کی ہڈیاں اس مسطح پہاڑی میں دفن کی گئیں جن کی خوشبو سے پہاڑیاں اور ٹیلے معطر ہو گئے

میری جان اس قبر پر فدا ہو جس میں آپ بسے ہوئے ہیں اسی قبر میں پاکدامنی اور جود و کرم بھی بسے ہوئے ہیں

پہلی اور دوسری روایت میں معمولی سافرق ہے۔ پہلی روایت میں ہے کہ ”رسول اللہ ﷺ کو دفن کرنے کے تین دن بعد ایک دیہاتی ہمارے پاس آیا اور خود کورسول اللہ ﷺ کی قبر پر ڈال دیا اور قبر کی مٹی سر پر پھینکنے لگا۔“

دوسری روایت میں (عتمی کی روایت) میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی قبر پر بیٹھا ہوا تھا کہ ایک دیہاتی آیا۔

(۱) ذرا غور فرمائیے کہ یہ عتمی جو خود کو واقعہ کا شاہد بتا رہا ہے۔ ۲۲۸ھ میں وفات پاتا ہے، اس صورت میں کیا ممکن ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے

تیسرے دن اس واقعہ کے وقت موجود رہا ہو؟ فرض کر لو اس کی کل عمر سو سال رہی ہو، پھر بھی اس زندگی اور اس واقعہ کے درمیان ایک سو بیس سال کا فرق باقی رہ جاتا ہے۔ ایسی صورت میں اس روایت کی صحت کے بارے میں آپ کیا کہہ سکتے ہیں؟

(۲) دونوں ہی روایتوں میں آیت ”ولو انهم اذ ظلموا انفسهم“ کا ذکر آتا ہے کہ اعرابی نے اس آیت کو قبر نبوی ﷺ پر پڑھا۔ جب کہ ہم پچھلے

صفحات میں تفصیل سے یہ بتا چکے ہیں کہ آیت مذکورہ کا حیات نبوی سے تعلق ہے، وفات کے بعد اس سے استدلال بے محل ہے، اور مخلوقات کے ذات کے وسیلے کا اس سے جواز تلاش کرنا تابا لکل ہی بے موقع اور غلط ہے۔ یہ آیت تو دراصل چند منافقین کے بارے میں نازل ہوئی تھی نہ کہ مخلوقات کی ذات کے وسیلے کے لئے۔

(۳) دونوں روایتوں میں لفظی اختلاف بھی ہے۔ العتمی کی روایت میں یہ نہیں ہے کہ دیہاتی نے خود کو قبر نبوی پر ڈال دیا تھا اور قبر کی مٹی سر پر پھینکنے لگا جب کہ

پہلی روایت میں یہ تفصیل موجود ہے یہ لفظی اختلاف اور دونوں روایتوں کا اضطراب خود اس کی دلیل ہے کہ روایت سخت مضطرب، مشکوک و غیر صحیح اور ناقابل حجت و استدلال ہے۔

(۴) دونوں روایتوں کا مفہوم آیت ”ولو انهم اذ ظلموا انفسهم“ سے نکلتا ہے، کیونکہ ان دونوں ہی روایتوں میں دیہاتی رسول اللہ ﷺ کو خطاب

کر کے کہتا ہے ”و جنتک مستغفراً لذنبی“ جس سے ظاہر ہو رہا ہے کہ دیہاتی رسول اللہ ﷺ کی قبر پر آپ سے اپنے گناہ کی معافی کی درخواست کر رہا ہے ‘جب کہ قرآن کہتا ہے کہ ”ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جاء وک فاستغفروا اللہ“ یعنی اپنے اوپر ظلم کر جانے کے بعد ان منافقین کو چاہئے تھا کہ آپ کے پاس آ کر اللہ سے بخشش چاہتے نہ کہ آپ سے بخشش چاہتے۔ کیونکہ اللہ سے مغفرت مانگنا تو اللہ کی بندگی ہے اور یہ بندگی کسی مخلوق کے لئے جائز نہیں، صرف اللہ کے لئے کرنی جائز ہے۔ اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گناہوں کی معافی مانگنا تو صاف شرک ہے۔ لہذا یہ روایت قرآن کی آیت سے صاف طور پر ٹکراتی ہے جو اس کے غلط اور من گھڑت ہونے کی واضح دلیل ہے۔

آیت قرآنی کا تو سیدھا سادہ مطلب یہ تھا کہ یہ منافقین رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں آتے اور اللہ سے اپنی غلطی کی معافی مانگنے پر رسول اللہ ﷺ کو گواہ بناتے اور خود رسول اللہ ﷺ بھی ان لوگوں کے لئے اللہ سے استغفار کرتے تو اللہ کو تواب و رحیم پاتے۔ لیکن یہ تو اس آیت میں کہیں نہیں کہ یہ لوگ خود رسول اللہ ﷺ سے استغفار کرتے جیسا کہ دونوں روایتوں میں مذکور ہے۔

(۵) العتمی کی روایت میں یہ ٹکڑا مزید ہے ”مستشفعاً بک الی ربی“ یعنی دیہاتی کہتا ہے کہ یا رسول اللہ میں آپ کے پاس اس لئے آیا ہوں کہ آپ اللہ سے میری شفاعت کر دیں۔ یہ ایک ایسی درخواست ہے جو رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد ممکن العمل ہی نہیں ہے۔ کیونکہ وفات پا جانے کے سبب آپ کا عمل منقطع ہو گیا لہذا آپ شفاعت فرما ہی نہیں سکتے تھے اور آپ سے یہ سوال کرنا ہی غلط تھا۔ نیز شفاعت کے لئے اللہ کی اجازت ضروری ہے اور یہ اجازت قیامت کے دن کے لئے خاص ہے اور اس دن بھی اللہ صرف ان کے لئے اجازت دے گا جن سے وہ راضی ہوگا۔ اگر یہ ممکن ہوتا تو سب سے زیادہ اہم و نازک وقت آپ کی ملاقات کا وہ تھا جب آپ کی وفات کے بعد حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سخت خونریز جنگ چھڑ گئی تھی جس کے سبب ہزاروں صحابہ شہید ہوئے اور یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو گیا کہ حق کس فریق کے ساتھ ہے؟ یہ کتنے تعجب کی بات ہوگی کہ اپنی وفات کے بعد رسول اللہ ﷺ ایک دیہاتی سے تو کلام فرمائیں، لیکن جب آپ کی امت پر اختلاف و خونریزی کا سیلاب امڈ پڑا ہو اس وقت خاموش رہ جائیں۔

کیا یہ باتیں اس امر کی واضح علامت نہیں ہیں کہ سرے سے یہ سارا قصہ ہی غلط اور من گھڑت ہے جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔

سند حدیث پر بحث:

یہ روایت اپنی سند کے اعتبار سے بھی ناقابل اعتماد و حجت ہے کیونکہ اس روایت کا اصل راوی العتمی جو اس قصہ کو دیہاتی سے روایت کرتا ہے اس دیہاتی اور عتمی کے درمیان دو سو برس کا فاصلہ ہے۔ دیہاتی کا یہ قصہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے تیسرے دن بعد کا ہے اور عتمی کی وفات ۲۲۸ھ میں ہوتی ہے۔ راوی اور صاحب واقعہ کے درمیان دو صدیوں کا فاصلہ ہے۔ کون عقل اس کو باور کر سکتی ہے کہ راوی اور صاحب واقعہ دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا ہوگا؟ العتمی کے حالات اور سنہ وفات کو تمام مشہور مورخین نے بصراحت لکھا ہے۔

شفاعت کے بارے میں یہ ایسی بنیادی باتیں ہیں جو ہر مومن کے عقیدہ سے تعلق رکھتی ہیں اور تمام مسلمانوں کو اس کو علم بھی ہے اور شاید ہی کوئی مسلمان اس سے ناواقف ہو۔ لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عہد مبارک میں کوئی ایسی بنیادی غلطی اور کھلی جہالت کا ارتکاب کرے یہ تصور بھی نہیں کیا جاسکتا، اور وہ بھی کوئی مجہول اور غیر معروف شخص نہیں بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جیسے معروف و مخصوص صحابی سے اس کا صدور و تعجب خیز ہی نہیں ناممکن بھی ہے ایسی صورت میں ہر صاحب ایمان یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ پورا واقعہ ہی سرے سے غلط اور من گھڑت ہے۔

(۶) پہلی اور دوسری روایتوں میں کھلا ہوا تضاد ہے۔ پہلی روایت میں ہے کہ ”رسول اللہ ﷺ نے اس کو قبر سے جواب دیا کہ اللہ نے تم کو بخش دیا“ اور

دوسری روایت میں ہے کہ ”رسول اللہ ﷺ عتمی کو خواب میں نظر آئے اور عتمی سے کہا کہ اعرابی سے مل کر کہو کہ اللہ نے اس کو بخش دیا۔“

غور فرمائیے کہ جب پہلی روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے اعرابی کو بشارت خود بہ نفس نفیس دے دی تھی تو پھر دوسری روایت کے مطابق اسی کام کیلئے عتمی کو پابند کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ دونوں روایتوں کا یہ لاکھلا حاصل تکرار و تضاد خود اس بات کی دلیل ہے کہ واقعہ من گھڑت اور موضوع ہے۔ اس حدیث کا گڑھنے والا یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا وفات کے بعد بھی اپنی امت سے ملنا ممکن ہے حالانکہ یہ مجال و ناممکن ہے۔



تیسری روایت

یہ روایت تھی سے بھی نہیں بلکہ محمد بن حرب الہلالی، عن الاعرابی سے روایت کی جاتی ہے اور کبھی محمد بن حرب الہلالی عن ابی محمد الحسن الزعفرانی عن الاعرابی سے روایت کی جاتی ہے۔ اور الزعفرانی، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہ اجلہ اصحاب میں سے ہیں جن کی وفات ۲۴۹ھ میں ہوئی ہے لہذا جو واقعہ رسول اللہ ﷺ کی تدفین کے تیسرے دن بعد کا ہے اس کی روایت وہ شخص کیسے کر سکتا ہے جو ڈھائی سو سال بعد کا ہے۔ غور کیجئے کہ اس قصہ کو کبھی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت سے ثابت کیا جاتا ہے اور کبھی العتبی کی روایت سے، اور کبھی محمد بن حرب الہلالی کی روایت سے، اور کبھی حسن الزعفرانی سے روایت کیا جاتا ہے۔ راویوں کا یہ اختلاف، اور راوی اور مروی عنہ کے زمانوں کا تفاوت، یہ سب باتیں اس روایت کے اضطراب اور وضع و کذب کی واضح علامات ہیں۔

ابن عبدالمہادی نے اس روایت کی بابت لکھا ہے کہ ”اس روایت کو بعض نے تھی سے بلاسند روایت کیا ہے، بعض نے محمد بن حرب الہلالی عن الاعرابی سے روایت کی روایت سے بعض نے محمد بن حرب عن الحسن الزعفرانی عن الاعرابی کی روایت سے اور بہیقی نے شعب الایمان میں مجہول سند عن روح بن محمد بن یزید البصری حدیث ابو حرب الہلالی سے روایت کی ہے۔ اور بعض کذاب راویوں نے اس کو علی بن ابی طالب کی سند سے بھی روایت کیا ہے۔

الغرض دیہاتی کا یہ قصہ اس قابل نہیں کہ اس کو دلیل بنایا جائے اور اس پر اعتماد کیا جائے

پھر یہ بھی معلوم نہیں کہ یہ دیہاتی کون ہے جس کا نام مذکور نہ دیگر کوئی تفصیل۔ لہذا ایسے مجہول اعرابی کی حکایت پر عمل و عقیدہ کی بنیاد قائم نہیں کی جاسکتی۔ یہ بھی معلوم نہ ہو سکا کہ اعرابی صحابی تھا یا نہیں؟ لیکن کسی صحابی اعرابی کا کوئی ایسا نفل احادیث و تاریخ میں مذکور نہیں فرض کر لویہ واقعہ صحیح تھا تو بھی اس سے مخلوقات کی ذات کا وسیلہ کہاں ثابت ہوتا ہے؟ یہ دیہاتی تو محض اس وہم میں قبر پر گیا کہ ممکن ہے آپ (معاذ اللہ) وفات کے بعد بھی شفاعت فرماتے ہوں۔ حالانکہ شفاعت کا صحیح وقت تو قیامت کے دن کا ہے اور اللہ کی اجازت و مرضی کے ساتھ مشروط ہے۔ چنانچہ بعض روایات میں اعرابی کے پڑھے ہوئے دونوں اشعار کے علاوہ ایک تیسرا شعر بھی موجود ہے جس سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اعرابی کو یہ یقین و علم حاصل تھا کہ شفاعت کا صحیح وقت قیامت کا دن ہے چنانچہ اس کا تیسرا شعر یہ ہے۔

انت النبی الذی ترجی شفاعتہ عند الصراط اذا ما زلت القدم

آپ ہی وہ نبی ہیں جن کی شفاعت کی امید کی جاتی ہے پل صراط سے گزرتے وقت جب قدم ڈگمگا جائیں

یہ شعر بتا رہا ہے کہ اعرابی کو یہ اچھی طرح معلوم تھا کہ شفاعت کا وقت قیامت کا دن ہے۔ اس کے باوجود دنیا میں آپ سے شفاعت کا طالب کیوں کر ہو رہا ہے؟ یہ تناقض اور اختلاف اس روایت کے اضطراب کی پوری دلیل ہے اور صاف واضح ہے کہ اعرابی کا یہ قصہ ہی دراصل موضوع اور طبع زاد ہے۔ اور حقیقت تو یہ ہے کہ یہ واقعہ اپنی اصل اور بنیاد کے اعتبار سے ہی غلط ہے۔ یہ محض ان لوگوں کے وہم و تخیل کی پیداوار ہے جنہوں نے مخلوقات کی ذات کے وسیلہ کے ثبوت میں اس کو گڑھا اور وضع کیا تھا۔

اللہ تعالیٰ کذب و افتراء کے ان بیوپاریوں کو قرار واقعی سزا دے اور امت مسلمہ کو ان کی ضلالتوں سے محفوظ رکھے۔ آمین۔



عشق کی روایت

”الدر المنظم“ کی روایت ہے کہ ایک دیہاتی رسول اللہ ﷺ کی قبر پر کھڑا ہوا اور کہنے لگا۔

اللہم ان هذا حبیبک وانا عبدک والشیطن عدوک فان غفرت لی سر حبیبک وفاز عبدک وغضب عدوک وان لم تغفر لی غضب حبیبک ورضی عدوک وهلك عبدک وانت یارب اکرم من ان تغضب حبیبک وترضی عدوک

وتهلك عبدک O

ترجمہ: ”اے اللہ یہ تیرے حبیب ہیں اور میں تیری بندہ ہوں اور شیطان تیرا دشمن ہے اگر تو نے مجھ کو معاف کر دیا تو تیرا حبیب خوش ہوگا۔ اور تیرا بندہ کامیاب ہوگا اور تیرا دشمن غضبناک ہوگا۔ اور اگر تو نے مجھ کو نہ بخشا تو تیرا حبیب غصہ ہوگا اور تیرا دشمن خوش ہوگا اور تیرا بندہ تباہ ہوگا اور اے میرے رب تو اس بات سے بلند و کریم ہے کہ تیرا حبیب غصہ ہو اور تیرا دشمن خوش ہو اور تیرا بندہ تباہ ہو۔“

اللّٰهُمَّ اِنِ الْعَرَبُ اِذَا مَاتَ فِيْهِمْ سَيِّدٌ اَعْتَقُوا عَلٰى قَبْرِهٖ وَاِنْ هٰذَا سَيِّدُ الْعَالَمِيْنَ فَاَعْتَقْنِيْ عَلٰى قَبْرِهٖ يَا اَرْحَمَ الرَّحِمِيْنَ O
ترجمہ ”اے اللہ عربوں میں جب کوئی سردار مرتا ہے تو اس کی قبر پر وہ غلام آزاد کرتے تھے اور یہ دونوں جہانوں کے سردار ہیں۔ تو مجھے ان کی قبر پر آزاد کر دے یا ارحم الراحمین۔“

دیہاتی کی یہ دعائیں حاضرین میں سے کسی نے کہا ”اے عرب بھائی! اللہ نے تیرے حسن سوال کے سبب تجھ کو بخش دیا۔“

توضیح:

اس روایت کے اندر جو کفر و فریب چھپا ہوا ہے وہ ایک اشارہ سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے اس روایت کا ہر جملہ گواہی دے رہا ہے کہ وہ کتنی ہوشیاری اور عیاری سے گڑھا اور سجایا گیا ہے۔ معلوم نہیں کتنے سادہ لوح عوام اس قسم کی روایات سے گمراہی اور فساد عقیدہ کا شکار ہوئے ہوں گے۔ آئیے ذرا اس روایت کا بھی تحقیقی جائزہ لیں، تاکہ اصل حقیقت کھل کر سامنے آجائے۔

۱۔ سب سے پہلے یہ معلوم ہونا چاہئے کہ یہ واقعہ کس زمانے کا ہے؟ اور یہ دیہاتی کون تھا صحابی یا تابعی یا کچھ اور؟ اور اس کا مقصد کیا تھا؟ اور وہ کون تھا جس نے دیہاتی کے سوال کی تعریف کی اور اللہ کی طرف سے دعویٰ کرتے ہوئے دیہاتی کو مغفرت کی بشارت دی؟

۲۔ اس دیہاتی کا سوال اور حاضرین میں سے کسی کا جواب اور مغفرت کی بشارت، کیا اس میں سے کسی کی بھی کتاب و سنت سے تائید ہوتی ہے؟ یہ دونوں سوالات اس روایت پر غور کرنے سے پہلے ہر طالب حق کے ذہن میں پیدا ہوتے ہیں اور یہی دونوں سوالات دراصل اگلی بحث کے لئے تہیہ بنتے ہیں۔

یہ روایت اور اس کے اندر مذکور اشخاص یعنی دیہاتی اور جواب و بشارت دینے والا شخص سب کے سب نامعلوم مجہول ہیں جن کا وجود صرف ان لوگوں کے دماغ میں ہے جنہوں نے یہ روایت گڑھی ہے، تاکہ لوگ اس دھوکے میں آجائیں کہ محبت رسول کے اظہار کا یہی آسان طریقہ ہے اور دیہاتی کے ان کلمات کو دہرانے سے مغفرت کی بشارت ہوتی ہے۔

لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ان باتوں کی کھوج میں پڑنے کے بجائے ہمیں یہ چاہئے کہ اصل روایت پر غور کریں، تاکہ اس روایت کے کذب و ضلال کی حقیقت اچھی طرح کھل جائے۔ ذرا غور فرمائیے!

(۱) دیہاتی دعا کرتا ہے (وان لم تغفر لى غضب حبیبك) ”اگر تو نے مجھ کو نہ بخشا تو تیرا حبیب غصہ ہو جائے گا۔“ حبیب سے مراد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ یعنی یہ دیہاتی کہہ رہا ہے کہ اے اللہ اگر تو نے مجھ کو نہ بخشا تو تیرے حبیب حضرت ﷺ تجھ پر ناراض ہو جائیں گے۔ (نعوذ باللہ) اللہ کا رسول اور اللہ کے فیصلہ پر ناراض ہو جائے؟ کیا اللہ کے فیصلہ پر ناراض ہونا صریح کفر نہیں ہے؟ سوچو! کہ جاہلوں نے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں کتنی رکیک اور جاہلانہ بات کہی ہے۔ کیا رسول اللہ ﷺ کا یہی مقام تھا اور یہی آپ کی عادت مبارکہ تھی کہ اللہ کے فیصلوں پر آپ ناراض ہوا کریں؟ اور معاذ اللہ اللہ کے خلاف اپنے غیض و غضب کا اظہار فرمائیں؟ اللہ تعالیٰ نے تو آپ کی شان میں یہ فرمایا ہے۔ ”اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ“ (بے شک آپ بڑے بلند اخلاق پر فائز ہیں)

مسلمانو سوچو! ان جاہلوں نے قرآن کو بھی جھٹلادیا اور رسول اللہ ﷺ کی شان میں وہ بات کہہ دی جس سے اللہ اور اس کی کتاب بری اور بیزار ہے۔
(۲) فرض کر لو اللہ نے اس دیہاتی کو نہ بخشنے کا فیصلہ فرمایا اور اب یہ دیہاتی اللہ پر دباؤ ڈالتے ہوئے کہہ رہا ہے کہ اے اللہ اگر تو نے مجھ کو نہ بخشا تو تیرا حبیب تجھ پر ناراض ہو جائے گا، تو کیا ایسی صورت میں (معاذ اللہ) دیہاتی کی دھمکی سن کر اللہ اپنے فیصلہ کو فوراً بدل دے گا؟ کیا اللہ کی یہی شان ہے؟ اور کیا اللہ پر بھی کوئی اثر انداز ہو سکتا ہے؟ جب کہ اس کا ارشاد ہے۔ وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰى اَمْرِهِ (اللہ اپنے حکم پر غالب ہے) وَهُوَ يُجَبِّرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ (اور اللہ پناہ دیتا ہے اور اس کے

مقابلہ میں کوئی پناہ نہیں دے سکتا۔)

بے شک رسول اللہ ﷺ نے حکم الہی پر سر تسلیم خم کر دیا، اور اپنے والدین کے بارے میں برات ظاہر کر دی۔ کیونکہ اللہ کا ہر فیصلہ عدل و حکمت پر قائم ہے۔ اللہ کے بارے میں ظلم و نا انصافی کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

سبحان اللہ! کیا عجیب بات ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے والدین کی عدم مغفرت پر خوش رہیں، لیکن ایک دیہاتی کی مغفرت نہ ہونے پر اللہ سے ناراض ہو جائیں۔ (سبحانک هذا بہتان عظیم)

(۴) دیہاتی کا یہ جملہ ”(انت یارب اکرم من ان تغضب حبیبک) دراصل اللہ کو انصاف اور عادلانہ فیصلہ سے ہٹانا ہے۔ ظاہر ہے کہ دیہاتی کو نہ بخشنا دراصل اس کی کسی غلطی یا جرم کی بنا پر ہی ہوا۔ اب دیہاتی رسول اللہ ﷺ کی ناراضگی کی دھمکی دے کر اللہ کو عادلانہ فیصلہ کرنے سے روک کر نا انصافی کرنے پر مجبور کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ محض اپنے حبیب کے غضب کے خوف سے نا انصافی کرنے پر مجبور ہے۔ (نعوذ باللہ)

ظلم و نا انصافی بجائے خود ایک مذموم فعل ہے کسی معمولی آدمی کیلئے بھی زیبا نہیں۔ لیکن ذرا سوچئے کہ اس روایت کے گڑھنے والوں نے اس مذموم حرکت کو اللہ کے ساتھ منسوب کر دیا۔ وہ اللہ جو ہر عیب سے پاک ہے اور تمام صفات کمالیہ اور سماءِ حسنیٰ کا مالک ہے۔ جس کی شان ہے کہ اپنے بندوں میں سے کسی کے ساتھ بچھڑاؤ کو روا نہیں رکھتا۔ اس نے ظلم کو اپنے اوپر حرام کر لیا ہے اس کی شان میں ایسے کلمات کفر اور جرم عظیم نہیں تو اور کیا ہیں؟

(۵) دیہاتی کہتا ہے۔ ان العرب اذا مات فیہم سید اعتقوا علی قبرہ وان هذا سید العالمین فاعتقنی علی قبرہ یا

ارحم الرحمین O

ترجمہ ”اے اللہ عربوں میں جب کوئی سردار مرتا ہے تو اس کی قبر پر وہ غلام آزاد کرتے تھے، اور یہ دونوں جہانوں کے سردار ہیں۔ تو مجھے ان کی قبر پر آزاد کر دے یا ارحم الراحمین۔“

یہ جملے اللہ کی شان میں کتنے رکیک اور توہین آمیز ہیں۔ دیہاتی، اللہ کو سبق پڑھا رہا ہے کہ وہ اس دیہاتی کے کہنے پر عربوں کی رسم اختیار کرے۔ گویا معاذ اللہ دیہاتی معلم و مرشد بن گیا ہے اور اللہ کو اس نے اپنا شاگرد اور مقتدی بنا دیا ہے اور اللہ کو عربوں کی عادت سمجھا کر اس پر عمل کرنے کی نصیحت کر رہا ہے۔ (اس شیطانی بکواس سے اللہ کی پناہ) کس بندۂ اللہ کے اندر اتنی ہمت ہے کہ وہ اس جہالت و اہانت کو برداشت کرے۔ فنعوذ باللہ من الکفر وسوء الخاتمة۔

(۶) عرب اپنے سردار کی قبر پر غلاموں کو محض اس لئے آزاد کرتے تھے کہ وہ اس کے ذریعہ اللہ کا قرب اور اس کی رضا چاہتے تھے۔ لیکن یہ دیہاتی اللہ سے اپنی آزادی مانگ کر اللہ کی طرف سے کس کے لئے قربانی اور نذر پیش کر رہا ہے؟ کیا نعوذ باللہ اللہ کو بھی بندوں کی طرح اس کی ضرورت ہے کہ وہ اپنا مطلب پورا کرانے کے لئے کسی کو نذر قربانی پیش کرے؟ حالانکہ اللہ تو سارے جہاں سے غنی اور بے نیاز ہے۔ بھلا اس کو کیا حاجت کہ اپنی مخلوقات میں سے کسی کے لئے نذر قربانی پیش کرے۔

(۷) دیہاتی کا یہ سوال بے ادبی اور اہانت کا مظہر بھی ہے، وہ اللہ کے سامنے اللہ کے رسول کی عظمت بیان کر کے اللہ کو گھٹا رہا ہے۔ اس کے سوال کے ہر جملہ میں گمراہی، خرافات، بکواس ہے اور ان سے کفر و زندقہ کا کھلا اظہار ہو رہا ہے۔ ایسی حالت میں اس کو نمونہ بنانا تو درکنار اس سے سختی کے ساتھ پرہیز کرنا چاہئے۔

چھپلی تفصیل سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اعرابی کا یہ سوال کتاب و سنت کی تعلیمات سے یکسر منحرف اور متضاد ہے۔ لہذا ایسے لغو سوال کو دلیل و حجت کیسے بنایا جاسکتا ہے؟

اس روایت کے گڑھنے والوں نے کمال ہوشیاری سے ان کی تصدیق و تحسین کیلئے ایک گواہ بھی گڑھ لیا جس نے گواہی دی کہ دیہاتی کی یہ دعا بہت اچھی ہے اور محض اچھی ہونے کی وجہ سے دیہاتی کی مغفرت ہوئی ہے۔

ذرا سوچئے کہ آخر یہ گواہ کون تھا؟ اور اس کو کہاں سے یہ خبر مل گئی کہ اللہ نے دیہاتی کو بخش دیا؟ اور دیہاتی کی اس دعا پر تحسین و صداقت کا ٹھٹھکیٹ دینے کا اس کو کہاں سے حق ملا؟ کیا اس پر وحی نازل ہو گئی تھی؟ یا اس نے یونہی ڈیگ مار دی؟ مغفرت کا علم تو اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔ پھر اس شاہد نے دیہاتی کے اس سوال کو بہترین سوال قرار دیا آکر اس میں کون سا حسن ہے؟ جب کہ پورا سوال ہی بے ادبی خرافات و زندقہ و ضلالت اور کفر و اڈعا سے بھرا ہوا ہے۔

ایسے لغو قصے کو مخلوقات کے وسیلہ کے جواز میں کیسے دلیل بنایا جاسکتا ہے۔ اس کا تو ذکر کرنا بھی گناہ ہے چہ جائیکہ اس کو دلیل بنایا جائے۔

روایت کی سند پر بحث:

اس روایت کی سند پر کوئی بحث ہی نہیں کی جاسکتی کیونکہ سرے سے اس کی کوئی سند ہی نہیں، نہ اس کا کوئی اتہ پتہ ہے نہ حدیث کی کسی کتاب میں اس کا کوئی ذکر موجود ہے۔ متن کے کذب و دروغ اور وضع ایجاد کے علاوہ اس کی کوئی تاریخی حیثیت بھی نہیں، اس کی بابت اس کے سوا اور کیا کہا جاسکتا ہے کہی جہلاء کی ہانک اور احمقوں کی بڑکے سوا اس کی کچھ حیثیت نہیں۔



دیہاتی کے اشعار

بہت ہی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک دیہاتی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بارش کی دعا کے لئے حاضر ہوا، اور اس نے چند اشعار پڑھے جن میں سے پہلا شعر یہ تھا۔

اتیناک والعدراء یدمی لبانها وقد شغلت ام الصبی عن الطفل

ہم آپ کے پاس اس حالت میں آئے کہ کنواریوں کے سینے خون آلود تھے اور بچے کی ماں اپنے بچے سے بے پرواہ ہو چکی تھی

ولیس لنا الا الیک فرارنا وانی فرار الخلق الا الی الرسل

اور ہمارے لئے تیری طرف بھاگ آنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا، اور لوگ رسولوں کے سوا کس کے پاس بھاگ کر جائیں

ان اشعار پر آپ نے کوئی اعتراض نہیں کیا، بلکہ حضرت انس کا بیان ہے کہ جب دیہاتی نے یہ اشعار پڑھے تو آپ ﷺ اپنی چادر گھسیٹتے ہوئے منبر پر تشریف لائے اور خطبہ دیا، اور لوگوں کے لئے بارش کی دعا کرتے رہے۔ یہاں تک کہ بارش ہونے لگی۔

متن حدیث پر بحث:

افسوس ہے کہ کچھ لوگوں کی یہ عادت ہو گئی ہے کہ اپنے مقاصد کے حصول کے لئے بیجا تاویلات کرتے ہیں، چاہے الفاظ کے معان اور مفہوم لغت اور محاورے کے اعتبار سے ان کا ساتھ دیں یا نہ دیں مگر وہ اپنے مزعومات کو ثابت کرنے میں اتنے حریص اور اندھے ہوتے ہیں کہ لغت اور محاورہ سب کی پرواہ کئے بغیر لاطائل اور غلط مفہوم کا پروپیگنڈا کرتے ہیں۔ لیکن ان کے اس پروپیگنڈہ اور ذاتی تاویلات سے اصل مفہوم پر کچھ اثر نہیں پڑتا اور اہل علم و تحقیق ان کی غلط تاویلات سے کبھی فریب نہیں کھاتے۔

۱۔ مثلاً اسی حدیث میں لفظ ”یستسقی“ سے وہ سمجھ گئے کہ اعرابی رسول اللہ ﷺ کی ذات اور آپ کے جاہ کے وسیلہ کا طالب تھا حالانکہ سب جانتے ہیں کہ اعرابی آپ سے محض بارش کی دعا کی درخواست کر رہا تھا۔ اگر اس کو آپ سے دعا کرنا مقصود نہ ہوتا، بلکہ وہ آپ کے جاہ و ذات کے وسیلہ کا طالب ہوتا تو اس کو مدینہ طیبہ آ کر آپ کی خدمت میں حاضری دینے کی ضرورت ہی نہ پڑتی۔ وہ گھر ہی سے آپ کی ذات و جاہ کا وسیلہ لے کر دعا مانگ لیتا۔

لیکن مدینہ وہ محض اس لئے آیا کہ اسے آپ سے دعا کرانی تھی، جیسا کہ حدیث میں صاف و وضاحت موجود ہے کہ آپ اس کی بات سن کر منبر پر تشریف لائے اور استسقاء کیلئے خطبہ دیا اور اللہ سے دعا مانگی۔ اگر دیہاتی آپ سے دعا کا طالب نہ ہوتا تو آپ اس کے لئے دعا بھی نہ فرماتے۔

اسی طرح ان لوگوں نے اعرابی کے اشعار کو بھی اپنے لئے دلیل بنا لیا اور خاص طور پر یہ شعر۔

ولیس لنا الا الیک فرارنا وانی فرار الخلق الا الی الرسل

اور سمجھ لیا کہ مصائب اور حوادث میں رسول اللہ ﷺ اور دیگر انبیاء کرام سے استغاثہ کرنا اور ان کی طرف رخ کرنا جائز ہے۔ حالانکہ کلام عرب اور تمام اہل زبان اس غلط مفہوم کو رد کر دیں گے، اور کوئی بھی اس سے یہ من گھڑت مفہوم نہیں سمجھے گا۔

اس شعر کا پس منظر اور سیدھا سادھا مطلب تو صرف یہ ہے کہ لوگ قحط اور خشک سالی برداشت کرتے کرتے اس حد تک مجبور و ناتواں ہو گئے تھے کہ بچے کی

ماں اپنے بچے کو بھی بھول گئی۔ اور اب ہم مجبور ہو کر اے رسول اللہ آپ کی خدمت میں آئے ہیں کہ آپ ہمارے لئے اللہ سے بارش کی دعا فرمادیں۔ آپ کی دعا ہماری دعا کی طرح نہیں۔ آپ تو رسول اللہ ہیں، مستجاب الدعوات ہیں، لہذا اپنی دعا کے ذریعہ اس قحط اور بھوک مری کو دور کرنے میں ہماری مدد فرمائیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے دعا فرمائی اور بارش سے لوگ سیراب ہوئے۔ اب اس پس منظر میں پہلے شعر پر غور فرمائیے کہ اعرابی اپنی شکایت اس طرح پیش کرتا ہے۔

اتیناک والعدراء یدمی لبانها وقد شغلت ام الصبی عن الطفل

ہم آپ کے پاس اس حالت میں آئے کہ کنواریوں کے سینے خون آلود تھے اور بچے کی ماں اپنے بچے سے بے پرواہ ہو چکی تھی

ولیس لنا الا الیک فرارنا وانی فرار الخلق الا الی الرسل

اور ہمارے لئے تیری طرف بھاگ آنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا اور خلق اللہ رسولوں کے سوا کس کے پاس بھاگ کر جائیں؟

یعنی آپ کی دعا کے سوا نزل باراں کے لئے کوئی دوسرا راستہ دکھائی نہیں دیتا۔ آپ اس درخواست کو سن کر منبر پر تشریف لائے اور دعا فرمائی اور بارش ہوئی۔

اس تفصیل سے آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ ان اشعار میں ذات رسول کے وسیلہ کا کوئی اشارہ تک نہیں۔ اگر رسول اللہ ﷺ کی ذات کو وسیلہ بنا کر بارش مانگنا

جائز ہوتا تو وہ دیہاتی گھر چھوڑ کر مدینہ کیوں آتا؟ اپنے گھر میں ہی بیٹھا بیٹھا رسول اللہ ﷺ کی ذات کے وسیلہ سے بارش طلب کر لیتا۔ لیکن ایسا کہاں ہوا؟

البتہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے بعد کسی صالح شخص سے دعا کی درخواست کرنا اور ان کی دعا کو وسیلہ بنانا بلاشبہ جائز اور مسنون ہے اور مومن کی دعا اپنے

مومن بھائی کے لئے مشروع وسیلہ ہے۔ جس کی تفصیل مشروع وسیلہ کی بحث میں گزر چکی ہے۔

لیکن مخلوق کی ذات اور جاہ کا وسیلہ تو سراسر شرک ہے۔ اس کا تصور کسی عامی کے لئے تو کیا جاسکتا ہے چہ جائیکہ کسی صحابی کی بابت ایسا سوچا جائے۔

اس حدیث کی سند پر بحث:

اس حدیث کا متن مذکورہ بالا مفہوم کے اعتبار سے تو بلاشبہ صحیح ہے لغت عرب اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فہم مبارک کے اعتبار سے بھی وسیلہ کا یہ مشروع مفہوم

بالکل درست اور صحیح ہے۔ بعدنی اعرابی رسول اللہ ﷺ کی دعا کا وسیلہ چاہتا تھا اور آپ نے اس کی درخواست پر دعا فرمادی اور بارش ہوگئی۔ اس کے سوا ذات رسول

کے وسیلہ کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ نہ وہ جائز ہے نہ اعرابی کے ذہن میں وہ بات تھی نہ شرع میں اس کی گنجائش ہے۔

لیکن کسی کلام کے صحیح ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ ہم اس کو رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کر دیں۔ مثلاً یہ کہنا کہ ”رسول اللہ ﷺ ارشاد ہے شہد بہت لذیذ

اور مفید کھانا ہے۔“ کیونکہ یہ معنی و مفہوم کے اعتبار سے تو صحیح ہے، لیکن رسول اللہ ﷺ کا یہ قول ہرگز نہیں۔ معلوم ہوا کہ ہر صحیح اور سچی بات کو رسول اللہ ﷺ کی طرف

منسوب کر دینا غلط اور جھوٹ ہے۔

یہی حال زیر بحث روایت کا بھی ہے کہ اس کا مفہوم و معنی صحیح ہونے کے باوجود یہ حدیث رسول نہیں ہے۔ اس حدیث کی سند میں ایک راوی ”مسلم الملایٰ

“سخت ضعیف، متروک اور غیر معتبر ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ، یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ، نسائی رحمۃ اللہ علیہ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ اور

دوسرے اجلہ محدثین نے اس پر سخت کلام کیا ہے اور اس کی روایات کو غیر معتبر قرار دیا ہے۔



حدیث الاعرابی

صحیح بخاری میں ہے کہ ”جب اعرابی آیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قحط کی شکایت کی تو آپ نے اللہ سے دعا فرمائی اور آسمان بارش پھٹ پڑا۔ رسول

اللہ ﷺ نے فرمایا ”اگر ابوطالب زندہ ہوتے تو ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتیں۔ ہمیں ابوطالب کا شعر کون پڑھ کر سنائے گا؟“

حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب نے فرمایا ”شاید آپ ابوطالب کے اس شعر کو سننا چاہتے ہیں۔

وابيض یتسقی الغمام بوجہہ شمال الیتامی عصمة لرامل

یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ دک اٹھا اور آپ نے اس شعر کے پڑھنے پر اعتراض نہیں کیا اور نہ ہی ”یتسقی الغمام بوجہہ“ پر کچھ

ناگواری کا اظہار فرمایا۔ اگر یہ حرام ہوتا تو آپ ضرور اعتراض فرماتے۔ اور شعر پڑھنے کا مطالبہ نہ کرتے۔“

تشریح و جواب:

علامہ بشیر سہسوانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ”صیانتہ الانسان عن وسوسۃ الشیخ دحلان“ میں لکھا ہے کہ دحلان نے اپنی کتاب ’الدرر السنیہ فی الرد الوہابیہ‘ میں لکھا ہے کہ یہ حدیث بخاری میں موجود ہے جب کہ یہ روایت بخاری میں سرے سے ہے ہی نہیں۔

البتہ یہ حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے اس طرح مروی ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا مویشی مر رہے ہیں، روزی کے ذرائع مسدود ہو رہے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے دعا فرمائی، اور جمعہ سے جمعہ تک بارش ہوتی رہی۔ پھر وہی شخص آیا اور کہنے لگا، مکانات گر گئے راستے بند ہو گئے اور مویشی ہلاک ہو گئے۔ اللہ سے دعا فرمائیے کہ بارش رک جائے۔ آپ نے فرمایا: اے اللہ، ٹیلوں، وادیوں اور جنگلوں کی طرف بارش کا رخ پھیر دے، چنانچہ بارش بند ہو گئی اور آسمان صاف ہو گیا۔

بخاری میں یہ حدیث ان لفظوں کے ساتھ موجود ہے، لیکن اس میں کہیں بھی یہ جملہ نہیں ہے کہ اگر ابوطالب زندہ ہوتے تو انکی آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتیں۔“ یہ کلمہ بخاری میں نہیں بلکہ بہیقی میں ہے جس کی سند میں ”مسلم الملانی“ ایک راوی متروک، غیر معتمد، وضاع اور کذاب ہے۔ اس کی روایات مردود ہیں۔

کتنے افسوس کی بات ہے کہ دحلان نے حدیث بخاری کو کتنی ہوشیاری سے بہیقی والی موضوع حدیث سے ملا کر بدل ڈالا تھا۔ تاکہ لوگ بخاری کے نام سے دھوکہ کھا جائیں۔

اس کے علاوہ دحلان کی اس روایت میں بے شمار معنوی اور لفظی فاحش غلطیاں ہیں جن کا صدور رسول اللہ ﷺ سے ممکن نہیں جو اصح العرب تھے اور جوامع الکلم کے ساتھ ممتاز تھے۔ لہذا اس موضوع روایت کو عقیدہ و ایمان جیسی محکم چیز کے لئے دلیل بنانا کسی طرح جائز و درست نہیں ہو سکتا۔



طبرانی نے ”الکبیر“ میں روایت کیا ہے کہ سواد بن قارب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے اپنا وہ قصیدہ پڑھا جس میں تو سئل کا ذکر ہے اور بقول دحلان آپ نے اس قصیدے پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ اس قصیدہ کے چند اشعار یہ تھے۔

واشہد ان اللہ لا رب غیرہ
وانک ادنی المرسلین وسیلۃ
فمرنا بما یتیک یاخیر مرسل
وکن لی شفیعاً یوم لا ذو شفاعة

وانک مامون علی کل غائب
الی اللہ یا ابن الاکرمین الاطائب
وان کان فیما فیہ شیب الذوائب
بمغن فیلا عن سواد بن قارب

متن حدیث پر بحث:

یہ چاروں اشعار جن سے شیخ دحلان نے رسول اللہ ﷺ کی ذات کا وسیلہ لینے کے جواز پر بحث کی ہے دراصل ان سے اس وسیلہ کا کوئی مفہوم ہی نہیں ثابت ہوتا جس کا دعویٰ دحلان کر رہے ہیں اور خصوصاً دوسرا شعر ”وانک ادنی المرسلین وسیلۃ“

اس لئے کہ اس شعر سے بھی اسی وسیلہ کا ثبوت ملتا ہے جس کا ہم نے کتاب کے بالکل شروع ہی میں ذکر کر دیا وسیلہ شرعی یہ ہے کہ عمل صالح کے ذریعہ اللہ کا تقرب حاصل کیا جائے۔ اور رسول اللہ ﷺ کے اعمال صالحہ تو تمام انبیاء کرام کے اعمال سے اعظم و برتر تھے۔ آپ کے اعمال حسنہ کا وسیلہ تو سب سے مؤثر و قریبی وسیلہ بارگاہ الہی میں سمجھا جائے گا۔ اگر آپ اپنے اعمال کا وسیلہ لے کر اللہ سے دعا فرمادیں تو بلاشبہ آپ کی دعا مقبول بارگاہ ہوگی۔

اور یہی وہ وسیلہ ہے جس کی بابت آپ نے اشارہ فرمایا کہ ”جب تم موزن سے اذان سنو تو موزن جس طرح کہتا ہے تم بھی کہتے جاؤ۔ پھر مجھ پر درود بھیجو جو شخص مجھ پر ایک بار درود بھیجے گا۔ اللہ اس پر دس بار رحمت نازل فرمائے گا۔ پھر میرے لئے اللہ سے وسیلہ مانگو کیونکہ وہ جنت میں ایک بلند درجہ ہے اور مجھے امید ہے کہ بندگان اللہ میں میرے سوا کسی بندہ کو یہ درجہ نصیب نہ ہوگا۔“

وسیلہ کے دونوں مذکورہ بالا مفہوم دراصل ایک ہی ہیں۔ لیکن دونوں میں سے کسی میں مخلوقات کی ذات کو وسیلہ بنانے کا کوئی ذکر و شائبہ تک موجود نہیں لہذا دحلان کا ان اشعار سے ذات رسول کا وسیلہ لینے کے جواز پر استدلال کرنا محض جہالت ہے۔

حضرت سواد بن قارب رسول اللہ ﷺ سے درخواست فرماتے ہیں کہ اللہ سے دعا فرمائیں کہ قیامت کے دن مجھے آپ کی شفاعت نصیب ہو جائے اور آپ میرے شفیع بن جائے اور آپ میرے شفیع بن جائیں اور یہ درخواست خود رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں آپ کے سامنے آپ کی حیات میں کی جا رہی ہے۔ اور اس طرح کی درخواست دعا کیلئے اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ سے کیا کرتے تھے۔ سب جانتے تھے کہ آپ اپنے اعمال صالحہ کے وسیلہ سے اللہ سے دعا فرمائیں گے اور ضرور قبول ہوگی۔ اس لوگ آپ سے دعا کی درخواست کیا کرتے تھے، لیکن یہ سب کچھ آپ کی زندگی میں اور آپ کے روبرو ہوا کرتا تھا۔ آپ ﷺ کی وفات کے بعد آپ سے دعا کی درخواست شفاعت کی گزارش سب بے سود اور حرام ہے۔

رہی یہ بات کہ اس قصیدہ میں رسول اللہ ﷺ کی ذات مبارک کو وسیلہ بنانے کا ثبوت موجود ہے اور ان اشعار کو دلیل بنا کر اب بھی رسول اللہ ﷺ سے دعا کی درخواست کی جاسکتی ہے اور آپ کی ذات کو وسیلہ بنایا جاسکتا ہے، تو یہ بالکل غلط ہے۔ اس کا ان اشعار کے کسی لفظ سے لغتاً و اشارتاً ثبوت نہیں ملتا۔

حدیث کی سند پر بحث:

مذکورہ بالا تفصیلات سے ثابت ہوا کہ متن حدیث سے کسی طرح یہ ثابت نہیں ہوتا کہ سواد بن قارب نے رسول اللہ ﷺ کی ذات کا وسیلہ مراد لیا تھا۔ جہاں تک اس حدیث کی سند کا تعلق ہے وہ اس قابل نہیں کہ اس پر بحث کر کے وقت ضائع کیا جائے۔ یہ حدیث بیہقی، ابویعلیٰ، ابوبکر محمد بن جعفر الخراطی وغیرہ میں جہاں جہاں بھی مروی ہے ہر جگہ ایسے کذاب و ضاح اور متروک رواۃ ہیں۔

جن کی روایتوں کو محدثین کرام مردود و ناقابل اعتبار سمجھتے ہیں اور یہ حدیث اس لائق نہیں کہ اسے عقیدہ تو سئل جیسے اہم مسئلہ میں سند و حجت قرار دیا جائے۔

حدیث اللّٰهُمَّ رَبِّ جِبْرَائِيلَ وَ مِيكَائِيلَ

نوی نے ”الاذکار“ میں روایت کی ہے کہ ”انّ النبی صلی اللہ علیہ وسلم امر ان یقول العبد بعد رکعتی الفجر ثلاثا، اللّٰهُمَّ رَبِّ جِبْرَائِيلَ وَ مِيكَائِيلَ وَ اسرافیل و محمد صلی اللہ علیہ وسلم اجرنی من النار۔“

متن حدیث پر بحث:

شیخ دحلان نے اپنی کتاب ”الدرر السنیہ فی الرد علی الوہابیہ“ میں مذکورہ بالا حدیث نقل کی ہے اور نوی کی طرف بھی اس حدیث کو منسوب کر دیا ہے کہ انہوں نے اپنی کتاب ”الاذکار“ میں اس حدیث کو پوری طرح نقل کر دیا ہے۔ دحلان نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ مخلوقات کی ذات کا وسیلہ لینا جائز ہے اور اس کے جواز کی تائید کو شیخ ابن علان شارح ”الاذکار“ کی طرف بھی منسوب کیا ہے۔

یہ حدیث صحیح ہو یا غیر صحیح ”ہمیں تو تعجب اس پر ہے کہ دحلان نے اس حدیث سے وسیلہ کا جواز کیسے نکال لیا؟ جب کہ وسیلہ کا خواہ وہ ممنوع ہو یا کہ مشروع اس کوئی تعلق ہی نہیں۔ حدیث میں تو صرف جہنم سے بچنے کی دعا کی گئی ہے، جیسا کہ ہم سب اہل ایمان اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں جہنم سے بچائے۔ یہ عام دعا ہے جس پر سب کا اتفاق ہے۔

ہمارا اختلاف تو اس پر ہے کہ اللہ کی بارگاہ میں مخلوقات کی ذات کا وسیلہ حرام ہے جب کہ دحلان اور ان کے گروہ کے لوگ اس کو جائز سمجھتے ہیں۔ لیکن اس حدیث سے تو کسی قسم کے وسیلہ کا سرے سے تعلق ہی نہیں۔

اگر حدیث میں حضرت جبرائیل و میکائیل و اسرافیل و محمد ﷺ کے اسماء گرامی کی نسبت اللہ کی طرف کی گئی ہے اور بس اتنی سی بات سے ان کا وسیلہ جائز سمجھ لیا گیا تو اس سمجھ پر جتنا بھی ماتم کیا جائے کم ہے۔ کیونکہ اس عقل و فہم کا نہ کوئی جواب ہے نہ مثال و نظیر۔ اس حدیث کا تعلق دور و نزدیک کسی بھی قسم کے وسیلہ سے ہی نہیں۔ اللہ کے نام کی طرف چند ناموں کی نسبت ان کی بزرگی اور کرامت کے لئے ہے نہ کہ ان سے وسیلہ لینے کے لئے۔ یہ حقیقت سب کے نزدیک مسلم ہے اور اس پر کسی دلیل و ثبوت کی ضرورت نہیں۔

قرآن مجید میں بکثرت ایسی مثالیں موجود ہیں۔ مثلاً ”رَبُّ الشَّعْرَى“، ”رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ“، ”رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ“، ”رَبُّ كُلِّ شَیْءٍ“، ”رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَمَغْرِبَيْنِ“۔

ان چیزوں کی اللہ کی طرف جو نسبت کی گئی ہے تو کیا ان کا وسیلہ بھی جائز ہے؟ ہرگز نہیں! اس کا تو کوئی بھی قائل نہیں۔ افسوس ہے کہ مخلوقات کا وسیلہ ڈھونڈنے والے حضرات کیسی کیسی رکیک و مضحکہ خیز دلیلیں ڈھونڈتے پھرتے ہیں۔ کازش! وہ کتاب و سنت کی واضح ہدایات کے متبع ہو کر مشروع وسیلہ کو اختیار کرتے تو دارین کی سعادت پالیتے۔

دحلان نے اس حدیث کو اپنے مطلب کے مطابق توڑ مروڑ کر پیش کیا ہے اور نقل بھی غلط کیا ہے۔ مثلاً متن میں نوی کے حوالے سے اس کو لکھا ہے کہ: انّ النبی ﷺ امر ان یقول العبد بعد رکعتی الفجر ثلاثا، اللّٰهُمَّ رَبِّ جِبْرَائِيلَ الخ یہ سراسر غلط ہے کیونکہ نوی کے ”الاذکار“ میں لفظ ”امر“ نہیں ہے۔ بلکہ پوری حدیث اس طرح ہے۔

روینا فی کتاب ابن السنی عن ابی الملیح واسمہ عامر بن اسامة عن ابیہ رضی اللہ عنہ انه صلی رکعتی الفجر

وان رسول اللہ ﷺ قریبا منه رکعتین خفیفتین ثم سمعه یقول وهو جالس اللّٰهُمَّ رَبِّ جِبْرَائِيلَ وَ اسرافیل و

میکائیل و محمد ن النبی ﷺ اعوذ بک من النار ثلاث مرات۔“

نوی نے ”الاذکار“ میں اس حدیث کو ان الفاظ کے ساتھ روایت نقل کیا ہے۔ اس میں لفظ ”امر“ موجود نہیں ہے اور نہ لفظ ”اللّٰهُمَّ اجرنی من

النار“ ہے بلکہ ”اعوذ بک من النار“ ہے۔ دیکھئے دحلان نے روایت میں کتنی تبدیلی اور کتر بیونت کیا ہے۔ تبدل و تحریف تو امت محمدیہ کا نہیں، بلکہ یہود و نصاریٰ کا

شیوہ رہا ہے اللّٰهُمَّ لا تجعلنا منهم

دحلان نے بیک وقت ابن علان اور نووی دونوں کی طرف غلط بیانی کی ہے جب کہ یہ حضرات اس سے بری ہیں۔ کیا دحلان اس جھوٹ و فریب کے ساتھ مخلوقات کا وسیلہ ثابت کرنا چاہتے ہیں؟ لیکن کذب و تحریف تو کبھی بھی حجت و دلیل نہیں بن سکتی اس کے علاوہ اس حدیث کی سند پر حافظ ابن حجر اور دوسرے محدثین نے بڑی جرح کی ہے اور اس کے اکثر روایات کو ضعیف و متروک قرار دیا ہے۔



لَوْلَا عِبَادُ رُكْعٍ

لولا عباد رُكْعٍ وصیئة رُكْعٍ وبهائم رُكْعٍ لصب علیکم البلاء صبا O
ترجمہ: ”اگر رکوع کرنے والے بندے اور دودھ پیتے بچے اور چرنے والے جانور نہ ہوتے تو تم پر عذاب پھٹ پڑتا

متن حدیث پر بحث:

بلاشبہ رکوع کرنے والوں کی فضیلت ہے اور اللہ کے نزدیک ان کا بڑا مقام ہے اور دودھ پیتے بچے معصوم و بے گناہ ہیں اور چرنے والے جانور غیر مسئول ہیں اور صاحب عقل نہیں ہیں، لیکن ان کی وجہ سے مستحقین پر عذاب کا نزول رک نہیں سکتا۔ اللہ ہر چیز پر قادر ہے چاہے تو ان معصومین پر رحم و ترس کھا کر عذاب کو روک دے اور چاہے تو سب پر یکساں عذاب نازل کر دے اور پھر ان میں سے جس کے جیسے اعمال ہوں اس کے مطابق ان کے ساتھ معاملہ کرے۔ لہذا ہم یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ مذکورہ لوگوں کی وجہ سے عذاب رک جائے گا۔ اللہ کا ارشاد ہے۔

وَ اتَّقُوا فِتْنَةً لَا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْكُمْ خَاصَّةً O

ترجمہ: ”اس فتنے سے بچو جو تم میں سے صرف ظالموں ہی تک مخصوص نہ ہوگا۔“

ہو سکتا ہے اللہ سب پر یکساں عذاب نازل فرمائے پھر ان میں سے متقیوں کو جنت کی طرف بھیج دے اور مجرموں کو جہنم کی طرف دھکیل دے۔

لہذا روایت مذکورہ بالا مطلق صحیح نہیں ہے۔ اس کے باوجود اس میں وسیلہ کا کوئی ذکر و معنی بھی موجود نہیں۔ رکوع و سجدہ کرنے والوں، دودھ پیتے بچوں اور چرنے والوں کا وسیلہ لینے کا کوئی ذکر اس حدیث میں ہے ہی نہیں۔ اس سے تو بس اتنی بات معلوم ہوتی ہے کہ ممکن ہے اللہ ترس کھا کر عذاب روک دے بس اور کچھ نہیں لیکن ان سے وسیلہ لینا وغیرہ اس سے ثابت ہی نہیں ہوتا۔

پھر یہ حدیث اپنی سند کے اعتبار سے بھی قابل استدلال نہیں۔ اس کی سند میں دو مجہول راوی ہیں۔ مالک بن عبیدہ اور ان کے والد عبیدہ دونوں ہی مجہول ہیں۔ اور جس حدیث میں ایک راوی بھی مجہول ہو وہ ضعیف اور ناقابل حجت ہوتی ہے۔ اس حدیث میں تو دو مجہول راوی ہیں۔ اس طرح یہ حدیث متن اور سند دونوں اعتبار سے حجت و دلیل نہیں بن سکتی۔



حدیث السؤال بمحمد (صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) ولانبياء

حضرت محمد صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اور انبیاء کرام کے نام سے سوال کرنا

عبد الملک بن ہارون بن عسثرہ عن ابیہ عن جدہ سے روایت ہے کہ ”حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے پاس تشریف لائے اور عرض کیا کہ میں قرآن پڑھتا ہوں اور وہ دماغ سے نکلتا رہتا ہے۔“ تو آپ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا، کہو۔ ”اے اللہ تجھ سے سوال کرتا ہوں تیرے نبی حضرت محمد صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اور تیرے خلیل ابراہیم علیہ السلام اور تیرے کلیم موسیٰ علیہ السلام اور تیرے روح اور کلمہ عیسیٰ کے ذریعہ اور موسیٰ علیہ السلام کی توراہ اور عیسیٰ علیہ السلام کی انجیل اور محمد صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی فرقان اور تیری تمام وحی کے ذریعہ اور تیرے تمام فیصلوں کے ذریعہ“

متن حدیث پر غور:

اس حدیث پر غور کیجئے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کی بنیاد کے خلاف ہے کیونکہ یہ شرع میں ثابت کیا جا چکا ہے کہ وسیلہ کی دو قسمیں ہیں۔ مشروع۔ اور ممنوع۔ مشروع جس کی اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے تاکید کی، صحابہ کرامؓ اور خیر القرون کے مسلمانوں نے اس پر عمل کیا اور جس کے محکم اور واضح دلائل کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے ثابت ہیں۔

اور یہ مشروع وسیلہ بھی تین قسموں پر مشتمل ہے۔

اول اللہ کے اسماء حسنیٰ اس کی صفات علیا اور ذات عالی کا وسیلہ۔

دوم اعمال صالحہ کا وسیلہ اور سوم مومن کی اپنے بھائی کے لئے دعا کا وسیلہ جس میں سے ہر ایک کی مثال کی تفصیل دی جا چکی ہیں۔

ممنوع وسیلہ یعنی مخلوقات کی ذات کا وسیلہ تو اس کی تائید میں نہ تو کتاب اللہ سے ہوتی ہے نہ سنت رسول اللہ سے نہ اس پر صحابہ کرامؓ نے عمل کیا، نہ خیرون القرون کے مسلمانوں نے، اس کو تو صرف جاہلوں نے اختیار کیا، وہ کہتے تھے (ما نعبدهم الا ليقربونا الى الله زلفى) ہم ان کی محض اس لئے بندگی کرتے ہیں کہ یہ ہم کو اللہ کے قریب کر دیں گے۔ اور یہی ممنوع وسیلہ تھا جس سے اللہ اور اس کے رسول نے منع کیا تھا اور جاہلوں کی اس تاویل کو اللہ نے قبول نہیں کیا تھا اور اسی لئے انبیاء کرام کو بھیج کر اللہ نے اس وسیلہ کو منع کرایا تھا۔ لہذا یہ محال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس چیز سے منع کریں پھر اسی پر عمل بھی کریں اور جس چیز کو اللہ نے حرام کیا اس پر عمل کرنے کے لئے اپنی امت کو ترغیب دیں۔

اللہ نے قرآن مجید میں ہو و علیہ السلام کی بابت فرمایا ہے۔

وَمَا أُرِيدُ أَنْ أُخَالِفَكُمْ إِلَىٰ مَا أَنهَآكُمْ عَنْهُ ۝

ترجمہ: ”اور میں نہیں چاہتا کہ چیز سے تم کو روکتا ہوں اس بارے میں تمہارے خلاف کروں۔“

ظاہر ہے کہ دعوت و پیغام کے اعتبار سے تمام انبیاء کرام علیہم السلام ایک ہی مسلک پر تھے تو جس طرح حضرت ہو و علیہ السلام اپنی قوم کو ایک بات کہہ کر اپنے عمل سے اس کی خلاف ورزی نہیں کرتے تھے۔ اسی طرح حضرت محمد ﷺ بھی اپنی امت کو جس چیز کی ہدایت فرماتے تھے، اپنے عمل سے اس کی مخالفت ہرگز نہیں کرتے تھے۔

لہذا یہ کیسے سمجھ لیا جائے کہ آپ نے امت کو تو مخلوقات کے وسیلہ سے منع فرمایا اور خود ہی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو اللہم انی اسئلك بمحمد نبيك و ابراهيم خليلك الخ کی تعلیم دی ہو۔ بلاشبہ یہ ناممکن ہے، اور یہ اللہ کے اس ارشاد کے بھی خلاف ہے کہ۔

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضُ الْأَقَاوِيلِ لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ۚ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ ۝

ترجمہ: ”اگر یہ پیغمبر ہمارے نسبت کوئی جھوٹ بات بنا لاتے تو ہم ان کا داہنا ہاتھ پکڑ لیتے، پھر ان کی رگ گردن کاٹ ڈالتے۔“

یہ رسول اللہ ﷺ کی ذات مبارک سے محال ہے کہ مذکورہ بالا حدیث میں جو مشرکانہ دعائیں گئی ہیں، اس کی آپ نے تعلیم دی ہو۔ سب حانک هذا بہتان عظیم قول و فعل کا یہ تضاد خود اس حدیث کے موضوع ہونے کی بڑی دلیل ہے۔

اس حدیث کی سند پر بحث:

متن کے علاوہ اس حدیث کی سند بھی ناقابل اعتبار ہے۔ علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو رزین بن معاویہ العبدری نے اپنی جامع میں اور ابن لاثیر نے جامع الاصول میں روایت کیا ہے۔ اور ان میں سے کسی نے بھی اس کو مسلمانوں کی کسی معتبر و متداول کتاب کی طرف منسوب نہیں کیا ہے۔ البتہ ابن السنی نے ”عمل الیوم واللیلۃ“ میں اور ابو نعیم نے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے۔ لیکن ان کتابوں میں اتنی کثرت سے موضوع حدیثیں ہیں کہ شریعت کے مسائل میں ان کتابوں کی مرویات پر اعتماد کرنا باتفاق علماء اسلام جائز نہیں۔ اصہبانی نے بھی ”فضائل اعمال“ میں اس کو روایت کیا ہے، جبکہ یہ کتاب بھی موضوع حدیثوں کا مجموعہ ہے۔

اس حدیث کا راوی عبد الملک بن ہارون عن عمرہ مشہور کذاب ہے۔ یحییٰ بن معین نے بھی اس کو کذاب کہا ہے، اور السعدی نے اس کو دجال کہا ہے، امام نسائی

نے اس کو متروک کہا ہے اور امام بخاری نے منکر الحدیث کہا ہے اور علامہ ابن جوزی نے اس حدیث کو اپنی کتاب ”الموضوعات“ میں نقل کیا ہے۔

الغرض متن اور سند دونوں ہی اعتبار سے یہ حدیث ساقط الاعتبار اور ناقابل استدلال ہے۔ یہ اس قابل نہیں کہ اس پر حدیث کا اطلاق بھی کیا جاسکے۔ تحقیق و تنقید کی میزان پر یہ پوری اتر ہی نہیں سکتی، اس لئے مخلوقات کے وسیلہ کے جواز میں اس کو پیش کرنا علم حدیث اور اس کی ثقاہت کا مذاق اڑانا ہے۔



دعاء حفظ القرآن

موسیٰ بن عبدالرحمن الصنعانی صاحب تفسیر نے اپنی اسناد کے ساتھ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا۔ ”جس کو یہ پسند ہو کہ قرآن اور دوسرے اقسام علم کو وہ یاد کرے تو اس کو یہ دعا کسی صاف برتن یا شیشے کی پلیٹ پر شہد اور زعفران اور بارش کے پانی سے لکھنی چاہئے اور نہار منہ پینا چاہئے اور تین دن روزہ رکھنا چاہئے اور اسی سے افطار کرنا چاہئے اور اپنی نمازوں کے بعد یہ دعا پڑھنی چاہئے۔

اللهم انى اسئلك بانك مسئول لم يسئلك مثلك ولا يسئلك واسئلك بمحمد نبيك و ابراهيم خليلك و موسى نجيك و عيسى روحك و كلمتك و وجيهاك O

ترجمہ: ”اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اس وسیلہ سے کہ تو مسئول ہے تیرے مثل سے سوال نہیں کیا جاتا نہ کیا جائے گا اور تجھ سے سوال کرتا ہوں حضرت محمد ﷺ تیرے نبی کے واسطے سے اور ابراہیم تیرے خلیل کے واسطے سے اور موسیٰ تیرے کلیم سے اور عیسیٰ تیری روح اور تیرے کلمہ اور تیرے وجیہ سے۔“

متن حدیث پر بحث:

یہ بات تو سب ہی لوگ جانتے ہیں کہ قرآن یا اس کے علاوہ علوم کا یاد رکھنا اور ان کا نہ بھولنا محض تکرار اور بار بار دہرانے ہی سے ہوتا ہے۔ اس مستقل طور پر دہرانے اور تکرار کرنے ہی کو اللہ تعالیٰ نے قرآن اور دوسرے علوم کے حفظ رکھنے کا ذریعہ بنایا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کی مدد اور تائید سے قرآن اور دوسرے علوم محفوظ رہتے ہیں۔ اگر اللہ کی مدد شامل حال نہ ہو تو قرآن اور کسی بھی علم کا ایک حرف تک یاد نہ رہے جیسے دوا، کہ وہ صحت و شفاء کا ذریعہ ہے، لیکن شافی اللہ تبارک و تعالیٰ ہے۔ لیکن جو طریقہ اس حدیث میں بتایا گیا ہے کہ یہ دعا کسی صاف برتن میں شہد زعفران اور بارش کے پانی سے لکھ کر پی جائے اور تین دن روزہ رکھا جائے اور اسی دوا سے افطار کیا جائے اور اس دعا کو نمازوں کے بعد پڑھا جائے۔ یہ تو عجیب و غریب طریقہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے کسی بھی صحیح حدیث میں نہیں پایا۔ رہا پلیٹ پر زعفران اور بارش کے پانی سے لکھنا یہ تو تعویذ گنڈے والے مفت خور لوگ ہی حرام خوری کے لئے کرتے ہیں۔ اگر تم کو قرآن اور کوئی بھی علم یاد رکھنا ہے تو مستقل دہراؤ اور تکرار کرو اللہ کی مدد اور تائید سے وہ یاد رہے گا اور شہد اور زعفران کی ضرورت نہیں پڑے گی۔

البتہ اس حدیث میں ایسی باتیں ہیں جو اس حدیث کے جھوٹ اور موضوع ہونے کی کھلی دلیل ہیں مثلاً لم یسئلك مثلك کا جملہ تو کوئی کافر ہی کہہ سکتا ہے۔ کیونکہ مثلك یعنی تیرا مثل جبکہ اللہ کا کوئی مثل ہے نہ کفو اللہ کا ارشاد ہے۔ وَ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ (الشورى) یہ تنہا ایک مثال ہی اس حدیث کے باطل و ناقابل حجت ہونے کی دلیل ہے۔ اس کے علاوہ یہ حدیث سند کے اعتبار سے بھی منکر اور موضوع ہے۔ اس حدیث کے باطل و ناقابل حجت ہونے کی دلیل ہے۔

اس کے علاوہ یہ حدیث سند کے اعتبار سے منکر اور موضوع ہے۔ اس حدیث کا راوی موسیٰ بن عبدالرحمن کذاب تھا۔ بعض محدثین نے اس کو حدیثیں گڑھنے

والا بتایا ہے۔



حَدِيثُ اسْتَفْتَا حِ الْيَهُودِ

عبدالملک بن ہارون بن عمنترہ اپنے والد سے، وہ سعید بن جبیر سے، اور وہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ ”خیبر کے یہودی غطفان سے لڑتے تھے جب بھی ڈبھیڑ ہوتی تو یہودی شکست کھا جاتے تو انہوں نے اس دعا کے ذریعہ پناہ مانگی اللھم اننا نسالک بحق محمد النبی الامی الذی وعدتنا ان تخرجه لنا اخر الزمان، الا نصرتنا علیہم“ جب بھی یہ دعا پڑھ کر لڑتے تو غطفان کو شکست دے دیتے لیکن جب رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے تو انہوں نے آپ کا انکار کر دیا، جس کی بابت اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا (البقرہ۔ ۱۸۹)

متن حدیث پر بحث:

آیت مذکورہ بالا (وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا) خیبر کے یہودیوں کے بارے میں اتری ہی نہیں ہے، بلکہ یہ تو ان یہودیوں کے بارے میں اتری ہے جو مدینہ منورہ کے آس پاس بنو قریظہ، بنو قریظہ اور بنو نضیر کے قبائل میں سے تھے۔ اسی پر اہل تفسیر و سیر کا اتفاق ہے۔ چنانچہ محمد بن اسحاق نے عاصم بن عمر بن قتادہ الانصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ وہ اپنی قوم کے کچھ لوگوں سے روایت کرتے ہیں کہ ہم کو اسلام کی طرف جن باتوں نے دعوت دی ان میں اللہ کی رحمت کے ساتھ وہ باتیں بھی ہیں جنہوں ہم یہودیوں سے سنا کرتے تھے۔ ہم مشرک و بت پرست تھے، اہل کتاب کے پاس علم تھا، ہم علم سے بھی عاری تھے، ہمارے اور ان کے درمیان برابر چھیڑ چھاڑ ہوا کرتی تھی۔ جب ہماری طرف سے ان کو کوئی تکلیف ہوتی تو وہ ہم سے کہتے۔ ”اب ایک نبی کا زمانہ قریب آ گیا ہے، وہ جلد ہی ہم میں مبعوث ہوگا، تب ہم اس کے ساتھ ہو کر تم سے عا دور ام کی طرح لڑیں گے۔“ یہ باتیں ہم اکثر ان سنا کرتے تھے۔ اور جب حضرت محمد ﷺ اللہ کی طرف سے رسول بنا کر بھیجے گئے اور آپ نے ہمیں اللہ کی طرف بلا یا تو ہم نے آپ کی دعوت قبول کر لی اور اس حقیقت کو بھی جان گئے جسکی وجہ سے یہودی ہمیں دھمکایا کرتے تھے، لہذا ہم آپ پر جلد ایمان لائے اور یہودیوں نے آپ کا انکار کر دیا چنانچہ ہمارے اور ان کے بارے میں یہ آیات نازل ہوئیں۔

اور جب حضرت محمد ﷺ اللہ کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے اور آپ نے ہمیں اللہ کی طرف بلا یا تو ہم نے آپ کی دعوت قبول کر لی اور اس حقیقت کو بھی جان گئے جس کی وجہ سے یہودی ہمیں دھمکایا کرتے تھے، لہذا ہم آپ پر جلد ایمان لائے اور یہودیوں نے آپ کا انکار کر دیا چنانچہ ہمارے اور ان کے بارے میں یہ آیات نازل ہوئیں۔

وَلَمَّا جَاءَهُمْ كِتَابٌ مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ فَلَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكَافِرِينَ ۝

ترجمہ: ”اور جب اللہ کے یہاں سے ان کے پاس کتاب آئی جو ان کی کتاب کی بھی تصدیق کرتی ہے اور وہ پہلے جس چیز کے ذریعہ کافروں پر مدد مانگتے تھے تو جس چیز کو وہ خوب پہچانتے تھے جب ان کے پاس پہنچی تو اس سے منکر ہو گئے، پس کافروں پر اللہ کی لعنت ہو۔“

۲۔ اس حدیث میں ہے کہ یہودیوں نے غطفان سے جنگ کی، جبکہ یہودیوں نے کبھی بھی غطفان سے جنگ نہیں لڑی، لہذا یہ کہنا کہ یہ آیت خیبر کے یہودیوں اور غطفان کے بارے میں نازل ہوئی، غلط ہے۔ بلکہ جیسا ابھی ذکر ہوا کہ یہ آیت مدینہ کے آس پاس کے یہودیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ راوی کی یہ فاش غلط بیانی اس بات کی دلیل ہے کہ اس میں جو دعا گڑھی گئی ہے وہ بھی اس تاریخی حقیقت کو مسخ کرنے کی طرح خود اپنے آپ بنائی گئی ہے۔

۳۔ نیز اس پر غور کرنا چاہئے کہ توراہ تو یہود عرب کی جنگ کے پہلے سے موجود تھی، جب اس میں یہ دعا موجود تھی تو یہودیوں نے اس دعا کو پہلے ہی کیوں نہ پڑھ کر عربوں پر فتح حاصل کر لی تھی، اور کیوں مدتوں اپنے بال بچوں کو قتل و برباد ہوتے دیکھتے رہے اور اس دعا کو پڑھ کر فتح نہیں حاصل کر لی؟

معلوم ہوا کہ یہ حدیث خود ہی من گھڑت ہے اور بے اصل ہے۔ اگر اس کا کوئی وجود ہوتا تو ضرور یہودی اس دعا کو پہلے ہی پڑھتے رہتے اور صدیوں تک عربوں کے ہاتھوں برباد نہ ہوتے رہتے۔

۴۔ مذکورہ بالا دعائیں ”بحق محمد النبی الامی“ یعنی محمد ﷺ کا اسم مبارک ”محمد“ موجود ہے، جبکہ یہودیوں نے اپنے کسی آدمی کا نام کبھی بھی

محمد نہیں رکھا تھا۔ اس لئے کہ توراہ کی اس پیشین گوئی کو جس میں نبی آخر الزماں کی بعثت کی بشارت ہے، اس نبی کو وہ اسرائیلی نبی سمجھتے تھے۔ چنانچہ ابوالعالیہ کی روایت ہے کہ جب یہودی حضرت محمد ﷺ کے ذریعہ عربوں پر مدد مانگتے تھے تو کہتے تھے۔ ”اے اللہ! اس نبی کو مبعوث فرما جس کے متعلق ہم اپنے پاس لکھا ہوا پاتے ہیں، تاکہ ہم مشرکین پر غالب ہو جائیں اور انہیں ہلاک کر ڈالیں۔“

لیکن جب اللہ نے حضرت محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا اور انہوں نے دیکھا کہ آپ تو ان میں سے نہیں، بلکہ عربوں میں سے ہیں تو حسد کے مارے آپ کا انکار کر دیا۔ حالانکہ دل سے وہ خوب جانتے تھے کہ آپ ہی نبی آخر الزماں ہیں، اسی کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔ فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ فَلَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝

۵۔ اس روایت کے موضوع ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ محمد بن اسحاق اور ابوالعالیہ دونوں کی روایتوں میں لفظ ”محمد“ نہیں ہے بلکہ صرف ”نبی آخر الزماں“ ہے، پھر دعائیں میں یہودی کس طرح ”بخت محمد النبی“ پڑھ سکتے تھے، جیسا کہ دعائیں مذکورہ ہیں۔ معلوم ہوا کہ یہ سب طبع زاد باتیں ہیں جو بے سوچے سمجھے گڑھی گئی ہیں۔

الغرض متن حدیث میں اتنا تضاد اور حقیقت کے خلاف مواد موجود ہے کہ کوئی بھی صاحب عقل اس کو صحیح تسلیم نہیں کر سکتا۔ نیز متن کی ان غلطیوں کے ساتھ ساتھ سند کی بھی اتنی نکارت موجود ہے کہ اس کو کسی طرح قابل حجت و دلیل بنایا ہی نہیں جاسکتا۔ اس روایت میں عبدالملک بن ہارون کے کذب کی بابت ابھی اوپر پوری تفصیل آچکی ہے۔ نیز علامہ ابن جوزی نے اس کو ”الموضوعات“ میں بھی شامل کر کے ثابت کر دیا ہے کہ یہ حدیث صحیح حدیث کے شمار میں آہی نہیں سکتی۔



حَدِيثُ اَنَا فَاعِلٌ

حضرت انس فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ آپ قیامت کے دن میرے لئے شفاعت فرمائیں، تو آپ نے فرمایا۔ ”اَنَا فَاعِلٌ“ (میں کرنے والا ہوں)

یہ حدیث جیسا کہ آگے بحث آرہی ہے، صحیح نہیں ہے۔ لیکن اگر صحیح مان بھی لیا جائے تو یہ مخلوقات کی ذات کو وسیلہ بنانے کی دلیل نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اس حدیث میں تو اس کا بیان ہے کہ بندہ اپنے مومن بھائی کی دعا کو بارگاہ الہی میں وسیلہ بنا سکتا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے جو ”اَنَا فَاعِلٌ“ فرمایا تو یقیناً حضرت انس کے لئے آپ ﷺ کی شفاعت کی اجازت کا علم آپ کو اللہ کی طرف رہا ہوگا، جیسے حضرت عکاشہ کے بارے میں آپ نے فرمایا تھا ”انت منهم“ کیونکہ جب تک رسول اللہ ﷺ کو پہلے سے معلوم نہ ہوتا کہ حضرت عکاشہ ستر ہزار لوگوں میں سے ہیں جو بلا حساب جنت میں داخل ہوں گے تو آپ ”انت منهم“ ہرگز نہ فرماتے۔

نیز جب حضرت انس نے آپ سے شفاعت کے لئے دعا کی درخواست کی تھی اس وقت حضرت انس بھی زندہ تھے اور رسول اللہ ﷺ بھی زندہ تھے، اس لئے آپ نے ”اَنَا فَاعِلٌ“ کہہ دیا تھا۔

حضرت انس نے آپ سے قیامت کے دن شفاعت کا مطالبہ کیا تھا جس کا مطلب صرف یہی ہے کہ وہ چاہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ آپ کے لئے اللہ سے دعا مانگیں کہ حضرت انس کو ان لوگوں کی صف میں رکھا جائے جن کے لئے شفاعت کی اجازت اللہ کی طرف سے ملی ہوگی۔ اگر آپ اللہ سے اس بارے میں دعا فرمائیں تو آپ ﷺ کی دعا ضرور قبول ہوگی، کیونکہ آپ مستجاب الدعوات ہیں۔ اس طرح حضرت انس جنت کے حصول اور آخرت کی کامیابی کے لالچ میں آپ ﷺ سے دعا کی درخواست کر رہے تھے۔

”اَنَا فَاعِلٌ“ کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ حضرت انس کیلئے پہلے ہی دعا کرتے رہے ہوں اور جب انہوں نے آپ ﷺ سے شفاعت کے لئے دعا کی درخواست کی تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ میں تو تمہارے کہنے سے پہلے ہی سے تمہارے لئے دعا کر رہا ہوں۔

نیز اب حضرت انس کی اس حدیث کو پیش کرنے اور اس سے استدلال کرنے کا فائدہ ہی کیا؟ یہ سب تو آپ کی زندگی تک تھا۔ آپ کی وفات کے بعد آپ سے دعا کی درخواست اور آپ کا جواب سب ناممکن العمل ہے۔ کیا کوئی ایسا بھی ہے جو اس حدیث کی روشنی میں اب بھی جبکہ آپ ﷺ کی وفات پر چودہ صدیاں گزر رہی ہیں، آپ سے دعا کی درخواست کر رہا ہے اور کیا کبھی کسی نے آپ ﷺ کی وفات کے بعد اپنی درخواست کا جواب رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے؟ اور کیا صحابہ کرام نے آپ کی وفات کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کی درخواست کی کہ ہم بھی ان کی اتباع میں آپ ﷺ سے دعا کی درخواست کریں؟ نہیں، ہرگز نہیں؟

لہذا حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے یہ استدلال کرنا بالکل بے محل اور سراسر غلط ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی ذات مبارک کا وسیلہ لیا تھا۔ نہیں بلکہ انہوں نے صرف آپ سے دعا کی درخواست کی تھی، جیسے ہر مومن اپنے مومن بھائی سے اپنے لئے دعا کی درخواست کر سکتا ہے۔ لہذا اس حدیث کو مخلوقات کی ذات کے وسیلہ کی دلیل میں پیش کرنا بالکل غلط اور بے محل ہے۔

اس کے علاوہ امام ترمذی نے اس حدیث کو ”حسن غریب“ کہا ہے اور اس کی سند میں ابو الخطاب حرب بن میمون ضعیف قرار دیا ہے۔ امام بخاری نے اس کی تضعیف کی ہے۔



رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی حضرت صفیہؓ کا مرثیہ

شیخ دحلان نے حضرت صفیہؓ کے اس مرثیہ کو مخلوقات کی ذات کا وسیلہ بنانے کی دلیل میں پیش کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت صفیہؓ نے یہ مرثیہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد کہا ہے، جس میں ایک شعر یہ بھی ہے۔

الا یارسول اللہ انت رجاءنا وکنت بنا برا ولم تک جافیا

یا رسول اللہ! آپ ہی ہماری امیدوں کا مرکز ہیں، اور آپ ہمارے ساتھ نیکی کرنے والے تھے سخت گیر نہ تھے

اس قصیدہ میں رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد آپ کو صاف طور پر خطاب کر کے یارسول اللہ انت رجاءنا۔ کہا گیا ہے۔

اس مرثیہ کی روایت پر بحث:

۱۔ کہا جاتا ہے کہ یہ مرثیہ حضرت صفیہؓ کا ہے ہی نہیں۔ چنانچہ ابن ہشام نے اپنی ”سیرت“ میں ان تمام مراثی کے ساتھ ذکر ہی نہیں کیا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر کہے گئے ہیں۔

۲۔ اس مرثیہ میں تحریف کی گئی ہے اور۔ کنت رجاءنا۔ کو انت رجاءنا کر دیا گیا ہے چنانچہ حافظ ابیشمی نے اپنی کتاب ”مجمع الزوائد“ جلد ۹ صفحہ

۳۹ باب فی وداعہ ﷺ میں لکھا ہے کہ طبرانی نے اسناد حسن کے ساتھ عروہ بن زبیر سے روایت کیا ہے کہ صفیہؓ بنت عبدالمطلب نے رسول اللہ ﷺ کا مرثیہ کہتے ہوئے کہا۔

الا یارسول اللہ کنت رجاءنا وکنت بنا برا ولم تک جافیا

یہ طبرانی کی روایت ہے، لیکن دحلان نے تحریف کر کے اس شعر کو اپنی کتاب ”الدرر السنیہ فی الرد الوہابیہ“ میں ”کنت رجاءنا“ کے بجائے انت رجاءنا

نا لکھ دیا ہے تاکہ اس سے وہ ثابت کر سکیں کہ رسول اللہ ﷺ جس طرح اپنی زندگی میں لوگوں کی امیدیں پوری کر دیا کرتے تھے اب اپنی وفات کے بعد بھی اسی طرح پوری کر سکتے ہیں۔ دحلان کی یہ حرکت اس ارشاد الہی کے مطابق ہے۔ فَبَدَّلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِي قِيلَ لَهُمْ (ان ظالموں سے جو بات کہی گئی تھی اس کی جگہ انہوں نے دوسری بدل دی۔)

شیخ محب الدین طبری نے ”ذخائر العقبیٰ فی مناقب القریب“ میں لکھا۔ کنت رجاءنا۔ ہے انت رجاءنا۔ نہیں۔ دحلان نے یہ کھلم کھلا

تحریف کی ہے۔ بھلا بتائیے کیا تحریف و تبدیل ہی کو اب حجت و دلیل بنایا جائے؟ ایسی دلیل تو کوئی بے حیاء ہی پیش کر سکتا ہے

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا صحیح جملہ کنت رجاء نا تو دراصل ان لوگوں کے کے عقیدہ باطلہ کی کھلی تردید ہے، کیونکہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موت اور حیات میں واضح فرق بتا دیا ہے۔

”کنت رجاء نا“ کا مطلب یہ ہو جب آپ زندہ تھے تو لوگ اپنے مسائل آپ کے پاس لے کر پہنچتے تھے اور آپ وحی الہی کی روشنی میں ان کے دنیاوی اور دینی مسائل حل کر دیا کرتے تھے۔ یہ مسائل تعلیم و تبلیغ اور رشد و ہدایت سے متعلق ہوا کرتے تھے ورنہ رزق اور مصائب کا ٹالنا وغیرہ تو سب اللہ کے ہاتھ میں ہے اور ان میں کسی کو دخل نہیں۔

ان تفصیلات سے واضح ہو گیا کہ اس روایت کا جو متن شیخ دحلان نے پیش کیا ہے وہ بالکل محرف ہے اور ایسا قصداً کیا گیا ہے اور ایسا جان بوجھ کر یہ تبدیلی کی گئی ہے تاکہ مخلوقات کے وسیلہ کا جواز مل جائے۔ افسوس!

اس روایت کی سند پر بحث:

یہ روایت منقطع ہے اس لئے اس کی سند میں عروہ بن زبیر ہیں جن کی ولادت ۲۹ھ میں ہوئی یعنی رسول اللہ ﷺ کی وفات کے ۱۹ سال بعد اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا مرثیہ آپ کی وفات کے فوراً بعد ہی کا ہے۔ یعنی عروہ بن زبیر اس قصیدہ کو لکھنے کے ۱۹ سال بعد پیدا ہوئے اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا ۲۰ھ میں وفات پا گئیں، یعنی عروہ بن زبیر کی پیدائش سے ۹ سال پہلے۔ اس طرح عروہ بن زبیر نے اپنی دادی صفیہؓ کا زمانہ پایا ہی نہیں۔ اس لئے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے ان کی روایت منقطع ہو گئی۔ اس طرح یہ روایت متن کے اعتبار سے محرف اور سند کے اعتبار سے منقطع ہے لہذا کسی طرح بھی حجت و دلیل کے قابل نہیں۔



امام ترمذی کا خواب

طاہر بن ہاشم باعلوی نے اپنی کتاب ”مجمع الاحباب“ میں امام ترمذی صاحب السنہ کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ انہوں نے خواب میں اللہ رب العزت کو دیکھا اور یہ سوال کیا کہ ”ایمان کس چیز سے مرتے وقت تک سلامت رہتا ہے؟“ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ۔

الہی بحرمة الحسن و اخیہ و جدہ و بنیہ و امہ و ابیہ نجنی من الغم الذی انا فیہ ، یا حیّ یا قیوم یا ذا الجلال و الاکرام
اسألك ان یحیی قلبی بنورک معرفتک یا اللہ یا اللہ یا اللہ یا ارحم الراحمین O
ترجمہ: ”اے اللہ! حسن، ان کے بھائی، اور ان کے نانا، اور ان کے بیٹوں اور ان کی ماں، ان کے باپ کی عزت کے صدقہ میں مجھے
اس غم سے نجات دے جس میں میں پھنسا ہوں اے زندہ رہنے والے، اے قیوم اے جلال و بزرگی والے تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ
میرا دل اپنی معرفت کے نور سے زندہ کر دے۔ یا اللہ یا اللہ یا اللہ یا ارحم الراحمین۔“

یہ خواب شیخ دحلان نے اپنی کتاب ”الرد السنیہ فی الرد علی الوہابیہ“ میں لکھا ہے، گویا دحلان نے قسم کھالی ہے کہ اس کے عقیدہ کے مطابق جو کچھ بھی ملے گا وہ
اپنی کتاب میں بھر ڈالے گا، خواہ وہ روایت یا بے ثبوت ہو۔ مثلاً یہ خواب، جس کا کوئی اتہ پتہ نہیں، لیکن اس سے مخلوقات کی ذات کا وسیلہ ثابت ہو رہا ہے، اس لئے دحلان
نے اپنی کتاب میں اس کو جگہ دے دی۔ اگر کوئی دوسرا ایسا کرتا تو اس پر جھپٹ پڑتے کہ بھلا خواب بھی کہیں دلیل و حجت بن سکتا ہے؟ لیکن یہاں معاملہ اپنا خود کا ہے
’اس لئے الثاں سیدھا جو کچھ مل جائے سب کمزور دلائل کی نوکری میں ڈھیر کر دیا جائے۔ یہ اس آدمی کا حال ہے جس کے علم و فضل کا کچھ لوگ پروپیگنڈہ کرتے ہیں اور جو
کسی زمانہ میں مکہ کا قاضی بھی رہ چکا ہے۔

البتہ جن کو اپنے علم کا احساس ہے، ان کا فرض ہے کہ علم کا حق ادا کریں۔ جاہد حق سے سرموانحراف نہ کریں اور نصوص میں تحریف و تبدیل سے اجتناب کریں
، کیونکہ یہ علماء کی شان کے خلاف ہے۔ بہر حال دحلان مرچکے ہیں، ہمیں امید ہے کہ مرنے سے قبل انہوں نے ان لغویات سے توبہ کر لی ہوگی۔

اب ذرا اس خواب پر ایک نظر ڈال لی جائے جو حضرت امام ترمذیؒ کی طرف منسوب ہے۔

۱۔ اس خواب کی کوئی صحیح سند جو امام ترمذیؒ تک پہنچتی ہو موجود نہیں۔

۲۔ خواب کی کوئی شرعی حیثیت نہیں، نہ وہ دین کی کوئی اصل ہے خصوصاً وہ خواب جو کتاب و سنت کی نص کے خلاف ہو

ہم امام ترمذیؒ جیسے علم کے پہاڑ ناصر السنہ النبویہ المطہرہ کو اس سے بہت بلند سمجھتے ہیں کہ وہ اس طرح کی لغوبات کہیں گے جس سے کذاب اور وضاع لوگ
فائدہ اٹھائیں اور ان بزرگوں کے نام سے عوام کو گمراہ کریں۔ عوام تو علم و تحقیق سے کورے ہوتے ہیں۔ اگر انہوں نے اپنے بزرگوں کے متعلق کچھ سن لیا تو اس کو پکڑ
بیٹھے ہیں اور رفتہ رفتہ کچھ عرصہ بعد خواص بھی اس کے قائل ہو جاتے ہیں۔ امت میں کذاب و دجال لوگوں نے اسی طرح گمراہیاں پھیلائیں ہیں۔ ہم دعویٰ سے کہتے
ہیں کہ امام ترمذیؒ اس خواب سے بری ہیں، اور ان کی طرف اس خواب کو منسوب کرنے والے جھوٹے فریبی لوگ اس کی صحیح و متصل سند نہیں پیش کر سکتے۔

اللہ تعالیٰ نے اس امت پر بڑا انعام و احسان فرمایا ہے کہ اس دین کی حفاظت کی ذمہ داری خود ہی قبول فرمائی ہے، اور اس دین کو مکمل کر دیا اور اس سے راضی
ہوا۔ لہذا قرن اول میں جو چیز دین نہ تھی، آج بھی دین نہ ہوگی۔ دین مکمل ہے۔ اللہ کا ارشاد ہے۔

الْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتَمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا O

ترجمہ: ”آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے دین اسلام سے راضی ہوا۔“

(المائدہ)

لہذا اس کے بعد ہم کو کسی خواب کی ضرورت نہیں جو ہمارے دین کی بنیاد کو ہلا ڈالے۔ اگر یہ خواب صحیح مان لیا جائے تو واقعہ کے اعتبار سے ہر صحیح چیز قابل قبول
نہ ہوگی جب تک کہ وہ کتاب و سنت کے موافق نہ ہو، اور اس سے دین کی کوئی اصل ٹوٹی نہ ہو۔

شیطان عام طور پر جہلا اور کم عقل والوں کو اسی قسم کے خواب کے ذریعہ گمراہ کرتا ہے لیکن امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ تو وحید و سنت کے اس مقام پر فائز تھے

جہاں شیطانوں کا مکر و فریب کارگر نہیں ہو سکتا تھا اور وہ بھی واسطہ وسیلہ جسے اہم مسئلہ میں کیونکہ یہ حقیقت سب کو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اور مخلوق کے درمیان کسی واسطہ کو ہرگز قبول نہیں کرتا، سوائے انبیاء کرام کے اس واسطہ کے کہ وہ اللہ کی وحی کو بندوں تک پہنچادیں اور بس۔

اس خواب کو گڑھنے والوں نے کتنی خوبصورتی سے گڑھا تھا تا کہ عوام دھوکہ میں آکر مان لیں۔ حسن و حسین، علی و فاطمہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء مبارک کو کتنی ہوشیاری سے ترتیب دے کر ان کی حرمت کا وسیلہ مانگا گیا تھا۔ نعوذ باللہ من ذلک۔

افسوس سے کہ دحلان جیسے عالم نے جن کے علم کا کچھ چرچا بھی ہے کس طرح اس خواب جیسی رکیک اور بے ثبوت چیز کو مداردین بنا کر پیش کر دیا۔ رَبَّنَا لَا تُرِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا . آمین



امام شافعیؒ اور آل بیت کا وسیلہ

ابن حجر المکی نے اپنی کتاب ”الصواعق المحرقة لاختوان الضلال والزندقة“ میں لکھا ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے آل بیت نبوی کا وسیلہ لیا۔ چنانچہ ان کے یہ اشعار ہیں۔

ال نبی ذریعتی وهم الیہ وسیلتی

آل نبی میرا ذریعہ ہیں اور وہ اللہ تک میرا وسیلہ ہیں

ارجوا بہم اعطی غدا بیدی الیمین صحیفتی

ان کے وسیلہ سے مجھ کو امید ہے کہ کل میرے داہنے ہاتھ میں میرا نامہ اعمال دیا جائے گا

یہ آسان ہے کہ کسی آدمی پر کوئی تہمت لگادی جائے، لیکن صرف الزام کافی نہیں، اس کے ثبوت اور دلیل کی بھی ضرورت ہے۔ ورنہ دعویٰ بلا دلیل بے قیمت ہے۔ اور بلا ثبوت جس پر بھی تہمت لگائی جائے گی وہ اس سے بری و پاک سمجھا جائے گا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا جو دینی مقام اور کتاب و سنت کے ساتھ ان کے تمسک کا جو حال ہے وہ سب پر عیاں ہے ایسے ناصر السنۃ اور قاطع البدعہ شیخ جلیل و امام کبیر کی بابت یہ کہنا کہ وہ عقیدہ توحید کی دھجیاں اڑائیں گے؟ ہمارا دعویٰ ہے کہ ان اشعار کی نسبت امام شافعیؒ کی طرف غلط اور جھوٹ ہے اور یہ ان پر سراسر تہمت و الزام ہے جس کا نہ کوئی ثبوت ہے نہ دلیل۔

یہ صحیح ہے کہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو اہل بیت سے بڑی محبت تھی، لیکن ایسی محبت نہیں کہ جو کتاب و سنت کی تعلیمات کو پھاند جائے۔ سب جانتے ہیں کہ مخلوقات کی ذات کا وسیلہ شرع محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں نہیں، بلکہ وہ جاہلیت کا شعار تھا جس سے امام عالی مقام بلند و پاک تھے۔ لہذا بلا ثبوت امت کے اتنے عظیم امام و بطل جلیل کی بابت ایسا قبیح الزام سخت بے حیائی اور ظلم ہے۔

اس روایت کی سند بھی بالکل تاریک اور مجہول ہے اور صرف تخیلات اور مزعومات پر مبنی ہے۔ اس کی سند تو دراصل صرف ان لوگوں کے دماغ میں ہے جنہوں نے نہ صرف امام شافعیؒ بلکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت من گھڑت اور موضوع باتیں پھیلائیں، لیکن اہل حق کبھی ان سے دھوکہ نہیں کھا سکتے۔



امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا وسیلہ

ابن حجر المکی نے اپنی کتاب ”الخیرات الحسان فی مناقب ابی حنیفہ العمان“ کی پچیسویں فصل میں لکھا ہے کہ حضرت امام شافعیؒ جب بغداد میں تھے تو امام ابوحنیفہ کا وسیلہ لیا کرتے تھے وہ اس طرح کہ ان کی قبر پر جاتے، سلام کرتے، پھر اپنی حاجات پوری کرانے کے لئے اللہ کی بارگاہ میں ان کا وسیلہ لیتے تھے۔
اس روایت کے متن پر غور:

یہ معلوم ہے کہ وسیلہ کہتے ہیں قربت حاصل کرنے کو اور قربت انہیں چیزوں کے ذریعہ حاصل ہو سکتی ہے جس کو وہ پسند کرتا ہو جس کی قربت حاصل کی جا رہی ہے۔ کیونکہ اپنی ناپسندیدہ چیزوں کے ذریعہ کوئی بھی کسی کو قریب نہیں ہونے دے گا۔

اس اصول کی بنیاد پر سوچئے، حضرت امام ابوحنیفہؒ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کسی مخلوق کے وسیلہ کو حرام سمجھتے تھے۔ کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاء کرام اسی عقیدہ کے داعی تھے کہ اللہ کو مخلوق کے واسطے کی ضرورت نہیں اور بارگاہ الہی میں ذات مخلوق کا وسیلہ حرام ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ کا ارشاد ہے: ”کسی شخص کیلئے جائز نہیں کہ وہ اللہ کو اس کی ذات کے سوا کسی اور کے ذریعہ پکارے اور میں حرام سمجھتا ہوں کہ کوئی اس طرح دعا کرے“ اے اللہ! میں تیرے عرش کی کرسی کی عزت کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں یا فلاں کے کے حق کے واسطے سے یا تیرے انبیاء اور رسولوں اور بیت اکے واسطے سے سوال کرتا ہوں۔

اور حضرت امام شافعیؒ کو امام ابوحنیفہؒ کا یہ مسلک اچھی طرح معلوم تھا ایسی صورت میں وہ خود امام صاحب ہی کی ذات کا وسیلہ کیسے لے سکتے تھے؟ امام شافعیؒ اور امام ابوحنیفہؒ دونوں اللہ اور رسول کی محبت چاہتے تھے۔ جو بات اللہ اور اس کے رسول نے پسند کر لی وہی ان دونوں کو بھی پسند تھی اور جن باتوں سے اللہ اور اس کے رسول غضبناک ہوتے تھے، ان سے یہ دونوں بھی غضبناک ہوتے تھے۔ لہذا ایسی لغو اور ان کے عقیدہ و ایمان کے بالکل صریح مخالف بات کو ان کی طرف منسوب کر دینا سخت گناہ اور جرم ہے جن سے یہ دونوں ہی ائمہ امت بری ہیں۔

شیخ دحلان نے ”الدرر السنیہ فی الرد علی الوہابیہ“ میں لکھا ہے کہ جو لوگ مخلوقات کی ذات کے وسیلہ کے قائل نہیں وہ اعمال صالحہ کے وسیلہ کے قائل ہیں حالانکہ اعمال اعراض ہیں (جو قائم بالذات نہیں بلکہ جو ہر کے ساتھ قائم ہیں) اور ذات عرض سے بہتر ہے

علامہ رشید رضا نے اس کا جواب ”صیۃ الانسان عن وسوسۃ الشیخ دحلان“ کے حاشیہ میں دیا ہے کہ ”اعمال صالحہ کا وسیلہ، تقرب الہی کا وہ مشروع طریقہ ہے جو اجماع اور نصوص قطعیہ سے ثابت ہے اور امر معقول بھی ہے کیونکہ اعمال صالحہ عمل کرنے والے کے نفس کو پاک و صاف کرتے ہیں اور اللہ کی رضا اور دعا کی قبولیت کا اس کو اہل بناتے ہیں لیکن دوسرے کی ذات کو تمہارے نفس کے تزکیہ میں کیا دخل؟ کیونکہ یہ ذات بھی تو خود اپنے ہی عمل سے پاک و صاف ہوئی ہے۔ ارشاد الہی ہے: قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّهَا (البقرہ)

اور عمل ہی ذات کو سنوارتا ہے۔ اگر عمل نہ ہو تو ذات ذکر کے قابل بھی نہیں اور عمل ہی خیر و شر میں ذات کی معرفت کا ذریعہ ہے۔ اگر عمل بہتر ہے تو ذات اسی بہتر عمل سے پہچانی جاتی ہے۔ اگر عمل برا ہو تو ذات ہی بری مشہور ہوتی ہے۔ اس طرح یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ ذات عمل کے تابع ہے۔ عمل ذات کے تابع نہیں ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء علیہم السلام اسی طرح صدیقین، شہداء اور صالحین سب اپنے اعمال صالحہ کی بدولت ہی نیک نام ہوئے۔ انہیں اعمال عظیمہ ہی سے ان کی ذات مکرم و معزز ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ (الضحیٰ)

ترجمہ: ”اللہ نے آپ کو بھٹکا ہوا پایا تو راہ پر لگایا۔

نیز فرمایا۔

قُلْ مَا يَعْجَبُ بِكُمْ رَبِّي لَوْلَا دُعَاءُكُمْ (الفرقان)

ترجمہ: ”کہہ دو کہ اگر تم اللہ کو نہ پکارتے تو میرا رب بھی تمہاری کچھ پرواہ نہ کرتا۔

معلوم ہوا کہ عمل ہی نے عامل کی ذات کو مقرب بنایا اور عمل عامل سے بہتر ہے۔ حضرت علی فرمایا کرتے تھے ”لوگوں کو حق سے پہچانو، حق کو لوگوں سے مت پہچانوں۔ حق کی معرفت حاصل کرو تو اہل حق کو پہچان لو گے۔“
ان تفصیلات سے شیخ دحلان کے کلام و دعویٰ کا فاسد ہونا ثابت ہو گیا۔

الحمد لله الذی بنعمته تتم الصالحات
مسلم ورلڈ ڈیٹا پروسیسنگ پاکستان

<http://www.muwahi.deen.tk>

<http://www.muwahi.deen.tz4.com>

email : info@muwahi.deen.tk